اسلم آزاد
تصوف
کا
سیاسی
کردار
صوفی عنایت
کی کسان تحریک اور
بھِٹائی کی شاعری
میں ہم آہنگی

صوفی عنایت کی کسان تحریک اور بھٹائی کی شاعری میں ہم آہنگی کا جائزہ

تصوف

کا

سیاسی

کردار

اسلم آزاد

Political Role of Mysticisim

By:

Aslam Azad

نظر ثانی :اکرم وڑائچ، شاکر کمال، نیلو فر اسلم

مشاورت : جام ساقی، انور پیرزادہ، انور بلوچ
ڈاکٹر شمس صدیقی، تاجدار عادل، اعجاز علیم عقیلی اور بیدل مسرور

ناشر :
آزاد ریسرچ اینڈ ایجوکیشن فائونڈیشن A-26-200 عبداللہ بلڈنگس، واد ھو واہ روڈ، قاسم آباد، حیدر آباد
رابطے کے لیئے :0300-3376259
کمپوزنگ و تدوین :اسداللہ بھٹو، جمیل پیرزادہ پارس پرنٹنگ ایجنسی گاڑی کھاتہ حیدر آباد

طبع اول : 2007

Rs: 120/=

پرنٹرس :شادمان پریس کراچی

مصنف کا تعارف

اسلم آزاد ولد محمد سلیمان کورائی بلوچ

تاریخ پیدائش 1950-8-28

تجربہ :

پرنٹ میڈیا :

میگزین ایڈیٹر سٹی کالیج حیدر آباد 1967

سب ایڈیٹر ماہوار بادل حیدر آباد 1969

انچارج اسٹوڈنٹس سیکشن روزنامہ عبرت حیدر آباد 72-1968

ایڈیٹر اسٹوڈنٹس پبلی کیشن حیدر آباد 71-1969

نیوز ایڈیٹر، ایڈیشنس انچارج روزنامہ ہلال پاکستان کراچی 83-1972 اور 90-1989

نمائندہ خاص حیدر آباد روزنامہ برسات کراچی 1991

ایڈیٹر ہفت روزہ نیوز ویک حیدر آباد 2002 تا حال

الیکٹرانک میڈیا بطور کمپیئر و محقق :

پی ٹی وی کوئز و اسٹیج شوز :

وینجھار---------1980-81

پرکھ----------1982-85

لطیفی لات---1986-87

گھڑیال-------1989-90

پرکھ--------1991-98

اسٹوڈنٹس فورم-----2001

کھٹنہار-----------2004-5

پی ٹی وی ایوارڈ-----1987

گولڈن جوبلی میڈل---1989۔

سماجی خدمات : سہ روزہ مینا بازار لاڑکانہ 1985- آزاد ریسرچ اینڈ ایجوکیشن فاؤنڈیشن کا قیام 2004- یہ فاؤنڈیشن تین سال کے عرصے میں کئی سیمینارز، آگاہی پروگرامز اور میڈیکل کیمپس کا انعقاد کر چکی ہے۔

انور پیرزادہ

اے چاند بھِٹائی سے کہنا!

اے چاند بھِٹائی سے کہنا
جس رات میں تم نے شعر کہے
وہ رات ابھی تک جاری ہے
سورج نے سرکشی نہیں چھوڑی
اور دور سفر ریگزاری ہے
میں کِس سے اپنا درد کہوں؟

اے چاند بھِٹائی سے کہنا
آج خون، رات نے رویا ہے
اور تارے درد ہیں پیتے رہے
یہ شام سِسک کر روتی ہے
اور گیت سُولی چڑھتے ہیں
تم سے نہ کہوں تو کِس سے کہوں؟

اے چاند بھِٹائی سے کہنا
تیرے راگوں کے سُر میں، میں نے
جب باریک سیِٹی ماری ہے
ہر ایک نے سنگ اُچھالے ہیں
ہر گھر میں سُولی سجائی ہے

اے چاند بھِٹائی سے کہنا
کسی اندھیرے نے اندھے ہیں کیسے
یہ لوگ تمھیں شاہ کہتے ہیں
اور تمہارے راگ رسالوں کو
آیات سمجھ کر جھومتے ہیں
تم کتنے دور چلے گئے ہو!
اے چاند بھِٹائی سے کہنا

(طویل سندھی نظم کا نامکمل ترجمہ)

Quotable Quotations

شاعری فلسفے سے کہیں زیادہ فکر انگیز اور تاریخ سے زیادہ سبق آموز ہوتی ہے۔

(ارسطو)

میری رائے میں شاہ لطیف اس ملک میں جنم لینے والے تمام شاعروں سے اعلیٰ ہیں۔وہ پاکستان کے قومی شاعر تو نہیں ہیں لیکن اس کے کچھ تاریخی اور سیاسی اسباب ہیں۔

(ایچ ٹی سورلے-Musa Purvagans)

لطیف کی شاعری کو سیاسی نقطہ نگاہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ قوم کو صحت اور قوت حاصل ہو۔

(جی ایم سید، پیغام لطیف)

لطیف کے فن و فکر کی ایسی جامع شرح ابھی نہیں بنی، جس میں تاریخی اور سماجی پس منظر بیان کیا گیا ہو۔ نیز وہ اسباب اور محرکات سامنے لائے جائیں جن کی وجہ سے لطیف کے پیرایہ بیان میں شدت اور بغاوت کے عناصر پیدا ہوئے۔

(مولانا غلام محمد گرامی سہ ماہی مہران)

....

تصحیح نامہ

1. صفحہ 32 صوفی عنایت کی تاریخ پیدائش 1065 ھجری
2. صفحہ 40 آخری سطر میں آخری لفظ۔ بھاوَ
3. صفحہ 58 سندھی کے دوسرے بیت کی پہلی سطر آخری لفظ۔ پَیتَ
4. صفحہ 105۔ تذکرہ مشاہیرِ سندھ۔ مصنف : مولانا دین محمد وفائی
5. صفحہ 107 ۔ مقالاتِ الشعراء۔ مصنف : میر علی شیر قانع

حروف تہجی کی گرامر ٹیبل

درج ذیل ٹیبل میں ان منتخب سندھی حروف کے ممکنہ اردو تلفظ دیئے جارہے ہیں، جو کہ سندھی زبان میں مروج ہیں، لیکن عربی اور فارسی میں موجود نہیں ہیں۔اس گرامر ٹیبل سے ان قارئین کو مدد مل سکے گی، جو شاعری کو سندھی میں پڑھنا چاہیں گے۔

سندھی حروف	اردو	انگریزی تلفظ
ٻ	ب	B
ڀ	بھ	Bh
ٿ	تھ	TH
ٽ	ٹ	T
ٺ	ٹھ	TH
ڄ	ج	
ڃ	ج	
ڇ	چھ	Ch
ڌ	دھ	Dh
ڏ	ڈ	Dhh
ڊ	ڈھ	R/D
ڙ	ڑ	Rh
ڦ	پھ	Ph
ڳ	گ	Gh
ڱ		
ک	کھ	Kh
ڻ	ن (ن پنجابی گرامر)	N

تمہید

کسی بھی تخلیق کو سمجھنے کے لئے اس کے خالق جیسے ذہن، ادراک یاہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے اور عام طرح یہ بات ممکن نہیں ہے۔ ہر انسان اپنی سُوجھ بُوجھ اور ذہنی سطح کے مطابق کسی بھی تخلیق کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور معنیٰ و مقصد حاصل کرتا ہے۔ شاعری بھی ایک ایسی ہی تخلیق ہے، جس میں شاعر کی سوچ کچھ ہوتی ہے اور پڑھنے والے کے اپنے خیالات ہوتے ہیں۔ زیر نظر کتاب شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی تاریخ معلوم کرنے کی کوشش ہے۔ بھٹائی کی شاعری نہ صرف واقعات و مشاہدات کااہم ثبوت ہے، بلکہ وہ قرآن پاک اور تصوف کی تعلیمات کااہم سنگم بھی ہے۔

ایچ ٹی سورلے جنہیں شاہ عبداللطیف آف بھٹ تھیسس لکھنے پر آکسفورڈ یونیورسٹی لندن نے پی ایچ ڈی کی ڈگری دی، لکھتے ہیں کہ : شاہ لطیف کی زندگی کے عرصے میں پرانا نظام ٹوٹ پھوٹ رہا تھا اور حالات و واقعات کے انہی درجات سے گذر کر وہ شاعر سے ایک دانشور اور پھر صوفی بنے۔ (ص 261 سندھی ترجمہ)

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے زمانے میں سب سے طاقتور سیاسی طوفان صوفی عنایت شہید کی کسان تحریک تھی, جس نے پورے برصغیر کی بادشاہتوں، استحصالی و جاگیر دار قوتوں اور قدامت پسند مذہبی و سماجی خیالات رکھنے والے طبقوں کی بنیاد میں دراڑیں ڈال دیں۔ اس سے قبل 1600ء میں بھی میاں وال تحریک کلہوڑار ہنماؤں نے چلائی تھی, لیکن صوفی عنایت کی تحریک ایک طرح سے ترقی پسندانہ انفرادیت رکھتی تھی اور اس کے رہنما اصول تصوف کے بنیاد پر بنائے گئے تھے۔

بین الاقوامی شہرت یافتہ لافانی صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی پر کسی بھی پہلو سے لکھنا دراصل تصوف کی ترجمانی کرنا ہے۔ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے تمام صوفی دانش وروں نے مختلف ادوار میں میانہ روی, مذہبی رواداری اور عدم تشدد کی راہ اپنا کر دنیا میں امن و مذہبی اتحاد کا چرچہ کیا ہے۔ صوفی ابو بکر قلابازی (وفات 995ء) اپنی تصنیف **Doctrine of Sufis** میں لکھتے ہیں : صوفی حضرات, اللہ تعالیٰ کو واحد, دائم اور قائم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا بندے کو خود اپنے طرف رجوع کرتا ہے۔ نیز روح ایک روشنی ہے جو جسم کو زندہ رکھتی ہے۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی تشبیہات رومی نامی کتاب میں مثنوی مولانا جلال الدین

رومی کے اشعار سے حوالہ ہے کہ :انسان کو اللہ تعالیٰ کے اوصاف واخلاق اپنانے چاہئیں اور یہی زندگی کا مقصد ہے۔دل کو شفاف آئینہ کی صفت ہونا چاہئے جو بغض سے پاک ہو،وہ آرزو اور خواہشات میں اعتدال کا بھی سبق دیتے ہیں اور صرف ان خواہشات کو جائز قرار دیتے ہیں، جن سے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔،، مولانا رومی کہتے ہیں کہ اسلام کی اصل تعلیم یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام برحق ہیں اور عقیدہ توحید ہی اصل دین ہے۔ قرآن حکیم، حکمت کی اہمیت کا تذکرہ کر کے انسانوں کو تاکید کرتا ہے کہ وہ عقل کو استعمال کرتے ہوئے تفکر و تدبر سے کام لیں۔کائنات کے تمام طریقے عقل و سمجھ کے دائرے میں آتے ہیں اور ان کا مطالعہ انسان کو بصیرت و قدرت عطا کرتا ہے اور انسان میں حق کا نائب بننے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔،،

یہی کچھ ہمیں شاہ عبداللطیف کی شاعری میں بھی ملتا ہے۔ بھٹائی کی شاعری جس طرح میری سمجھ میں آئی، میں نے اسی طرح اس کی تشریح کی ہے۔نہ میں اسے کلی درست کہنے کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ کوئی اور اسے غلط کہنے کا حق رکھتا ہے،بلکہ یہ کتاب اس سلسلے میں مزید تحقیق کے مواقع فراہم کرتی ہے۔چونکہ میں اہل زبان نہیں، لہذا ہو سکتا ہے کہ اندازِ بیان میں وہ لطف نہ ہو، جو کسی زبان کا خاصہ ہے، لیکن میرا مقصد مدعا بیان کرنا اور صوفی فکر کو عام لوگوں تک پہچانا ہے۔

علامہ آئی آئی قاضی نے 15 دسمبر **1938**ء میں خالق ڈنو ہال کراچی میں ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: لفظ اڑدا ایران، ہندوسندھ میں، عربوں کی آمد سے تین ہزار سال قبل بھی انبار، لشکر، گروہ یا ٹولی کی معنیٰ میں زیر استعمال رہا ہے۔ یہ لفظ آریہ **Arian** لوگ اس سرزمین پر لائے تھے۔ صوفی لاکوفی نامی کتاب میں شامل اس تقریر میں علامہ صاحب کہتے ہیں کہ اردو ترکی کا لفظ نہیں، کیونکہ اڑدو زبان سنسکرت سے ہی نکلی ہے۔ ابتدا میں دراوڑی زبان کے الفاظ اس میں شامل ہوئے بعد میں سنسکرت کی بڑی بہن فارسی نے اردو کو سنگھار کا سامان مہیا کیا۔

اسی تقریر میں علامہ صاحب نے ایک بہت خوبصورت صوفیانہ نقطہ بھی واضح کیا کہ : سنجیدہ قوم پرستی کا مطلب جسمانی، فکری و روحانی قوت اور محنت سے اپنی دھرتی کو گلزار بنانا ہے اور اپنی چیز سے پیار کا مقصد دوسرے سے نفرت نہیں ہونا چاہئے۔،،

اس کتاب پر میں نے ایک طویل عرصے کام کیا اور کافی محققین و دانشوروں اور

صوفی فقیروں سے رہنمائی حاصل کی۔ میں کسی کا نام اس لئے درج نہیں کر رہا کہ کوئی نام چھپنے سے رہ گیا تو شکایت ہو گی۔ البتہ ان سب کا ممنون و مشکور ضرور ہوں کہ انہوں نے میری حوصلہ افزائی کی۔

اسلم آزاد

سراج الحق کا تبصرہ

برادرم ابراہیم جویو

ہمارے دوست اسلم آزاد نے لطیف پر کتاب لکھی ہے، جس کا ایک حصہ میں نے پڑھا ہے۔ بہت اچھی کوشش اور ہمت افزائی کے لائق ہے۔ اس پر آپ دیباچہ لکھیں تو بہت اچھا ہو گا، کیونکہ ایک تو آپ کی نظر شاہ پر زیادہ مؤثر ہے، نیز جن موضوعات کا اسلم نے خاص طور پر تجزیہ اور چھان بین کی ہے، وہ بھی آپ کے دل پسند ہیں۔ تمہارے تبصرے کی وجہ سے دوسرے نوجوانوں میں بھی اس قسم کی کوشش کرنے کا شوق پیدا ہو گا اور شاہ کو صحیح طور پر پیش کرنے کی روایت آگے بڑھے گی۔

سراج

22جون1988ع

تصوف کا سیاسی و سماجی کردار

زیر نظر کتاب تصوف، اس کے سیاسی و سماجی مقاصد اور سندھ میں جنم لینے والے بین الاقوامی شہرت کے حامل سندھی شاعر و صوفی دانشور شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری میں تاریخی وسیاسی واقعات کا جائزہ لینے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔

اس کاوش کے بنیادی مقاصد میں اول یہ ثابت کرنا ہے کہ شاعر اپنے زمانے کے حالات کی عکاسی کرتا ہے، جو کہ آپ شاہ عبداللطیف کے اشعار میں محسوس کریں گے۔ دوئم یہ کہ بھٹائی، صوفی عنایت شہید کی اس قومی کسان تحریک سے وابستہ رہے جو اُنہوں نے تصوف کے اصولوں پر استحصالی اور انتہاپسند قوتوں کے خلاف چلائی تھی۔ تیسرا مقصد دنیا میں اس وقت موجود بیچینی، مذہبی انتہاپسندی و دہشت گردی، سامراجی جارحیت اور عدم رواداری کا علاج تصوف میں تلاش کرنا ہے۔ صوفی ازم یوں تو ایک وسیع موضوع ہے، لیکن اس کی جامع تشریح یہ ہے کہ ''جیئو اور جینے دو''۔ اگر اس مقولے پر عمل کیا جائے تو دنیا شاید کسی ایٹم بم کی محتاج نہ رہے۔ صوفیائے کرام کی شاعری کو سمجھنے کے لئے تصوف کا مختصر تجزیہ ضروری ہے اور میری رائے ہے کہ موجودہ حالات کا حل صرف تصوف میں ہے جو کہ ہر مذہب سے ہم آہنگ ہے۔ صوفی حضرات حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی یکساں اہمیت کا حامل سمجھتے ہیں اور انسانیت کو تمام مذاہب کی معراج مانتے ہیں۔

جرمن دانشورہ این میری شمل لکھتی ہیں کہ : ''سندھ سمیت تمام اسلامی دنیا میں تصوف سے وابستہ رہنما سیاست اور سماجی رفارمز میں حصہ لیتے رہے ہیں۔ ان سب میں ایک صلاحیت عمومی نظر آتی ہے اور وہ ہے شاعری۔'' پس یہ بات ثابت کرتی ہے کہ ہمارے صوفی شاعر شاہ لطیف نے بھی اس دور میں وہ سماجی و سیاسی کردار ادا کیا، جس کے وہ اہل تھے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں :

جي تو بيت پانيا، سي آيتون آهين
نِيو مَن لائين، پِريان سَندي پار ڏي.

- سهڻي

(ترجمہ : جنہیں تم ابیات یا شاعری سمجھتے ہو، وہ تو آیات ہیں۔ یہ تو من کو محبوب سے جاملاتی ہیں۔)

شاہ لطیف و دیگر صوفیائے کرام کی شاعری کو mysticisim کے حوالے سے سمجھنے کے لئے یہاں یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ اکثر مذاہب نے Reformation یعنی اصلاحی تحاریک کا سامنا کیا ہے۔ اسلام میں تصوف یا اصلاحیت کا رنگ ابتدا سے ہی موجود ہے، لیکن جب خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد بنو امیہ کے دور میں ملوکیت نے خلافت کی جگہ لی تو اہل تصوف صف بستہ ہو گئے۔ تذکرہ صوفیائے سندھ سے حوالہ ہے کہ "بنو امیہ کی ظالمانہ روش دیکھتے ہوئے کئی صوفی حضرات نے حکومت سے اپنا تعلق ختم کر دیا اور تصوف کے اداروں نے اس زمانے کی سیاسی ضروریات (حزب اختلاف) کو نبھایا۔" دیکھیں ایک صوفی کردار کے لئے شاہ لطیف کیا کہتے ہیں :

صُوفي سَير سَين ۾، جِيئن رڳن ۾ ساهُ
سا نہ ڪري ڳالهڙي جِيئن پَريون پَروڙي پَساهه
آهيس اِيءُ گناهه، جيڪا ڪري پَڌري.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ : اہل تصوف خلقِ خدا سے تعلق رکھتے ہیں بلکل رگوں میں لہو کی طرح۔ وہ ایسی کوئی بات نہیں کرتے کہ کوئی بھانپ سکے، لیکن پھر بھی وہ یہ گناہ کرتے ہیں کہ ہر بات سچ اور کھری کرتے ہیں۔)

یہ بات غالب نے بھی سچائی سے واضح کی ہے کہ :

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب،
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا۔

کچھ یہی بات کہ لوگوں کو کس طرح قائل کیا جائے، علامہ اقبال نے اس طرح کی ہے :

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا،
غواص کو مطلب ہے صدف سے نہ گُہر سے۔

تصوف کے بارے میں ایچ ٹی سورلے لکھتے ہیں کہ ”تصوف کا تفصیلی مطالعہ، فنی اصطلاحات کی بھول بھلیوں میں گم کردے گا۔“ سورلے کا واضح مقصد یہ ہے کہ کسی بھی مذہب، فلسفے یا نظریہ کو اگر آپ اتنا مشکل بنادیں کہ وہ عام آدمی کو سمجھ میں نہ آئے تو یہ سراسر ناانصافی ہے۔ اس لئے میں نے بھی تفصیل میں جانے سے گریز کرتے ہوئے، جامع معنی بتانے کی کوشش کی ہے۔ میرا نقطہ نظر ہے کہ جب مہذب دنیا میں بادشاہتوں کا قیام عمل میں آنے لگا تو یہ ایسی شخصی حکومتیں تھیں جن کو مذہبی قوتوں کی حمایت بھی حاصل تھی۔ آخر کار ان کے مخالف یعنی اپوزیشن بھی مذہبی اداروں سے ہی پیدا ہوئی۔ انہوں نے قدرت کی وحدت پر اصرار کیا اور ریاستی جبر و مذہبی انتہا پسندی کی مخالفت کی۔

ڪَر طِريقت تَڪيو، شريعت سُڃاڻ
هِينئُون حقيقت هَير تون ماڳ معرفت ماڻ
هوءِ ثابوتي ساڻ تہ پُسڻ ڪان پالهو رهين.

(ترجمہ: طریقت پہ تکیہ کر اور شریعت کو پہچان، دل کو حقیقت سے آگاہ کر تو معرفت کی منزل حاصل ہو۔ اگر یہ ثبوت موجود ہوں تو تم آلودہ ہونے سے بچ جاؤ گے۔)

مذاہب میں تصوف کا جائزہ :

مذہبی نقطہ نگاہ سے وسعت یا اصلاح کا نظریہ قدیم یہودیوں میں ملتا ہے، جہاں ایسینی گروہ اس کا قائل تھا۔ یونان میں فیثا غورث پھر افلاطون اور سقراط نے بھی یہی راہ اپنائی۔ ہندو مذہب میں اصلاح پسندی کے لئے جین دھرم کا نام آتا ہے جب کہ 12ویں صدی میں رامانوج نے گیتا کی نئے انداز سے تشریح کی تھی۔ علامہ قاضی نے ہندوستان میں تصوف یا اصلاح کی اس راہ پر چلنے والوں میں کبیر داس اور گرونانک کا نام بھی شامل کیا ہے، جبکہ گربخشانی لکھتے ہیں : ”ویدانت کو شنکراچاریہ [788-820ء] نے کمالیت سے ہمکنار کیا۔

عیسائی مذہب میں اصلاح پسندی کی تحریک مارٹن لیودر نے 16ویں صدی میں جرمنی سے شروع کی، جو جلد ہی فرانس اور دیگر یورپی ممالک میں پھیل گئی۔ یہ تحریک آگے چل کر Protestant فرقے کو وجود میں لائی۔ ان کا کہنا تھا کہ انسان کی نجات کا دارومدار اس کے عمل پر منحصر ہے نہ کہ پوپ کے معافی نامہ پر۔

17ویں صدی میں فرانس میں کارنیلس جینسین نے کیتھولک عقیدے سے ہٹ کر جینسینسی عقیدے کی داغ بیل ڈالی اور یہ بھی پروٹیسٹنٹ ازم جیسا ہی تھا۔ دیکھیں یہاں بھٹائی کا موقف کیا ہے :

نہ کا کُن فَیکون ھئي نہ کا مُورت ماهَ
نہ کا سُڌ ثواب جِي، نہ کو غرض گناهَ
هيڪائي هيڪ هئي، وحدانيت واهَ

- مارئي

(ترجمہ : ابھی دنیا وجود میں نہ آئی تھی اور نہ چاند چہرے بنے تھے۔ ایسے میں نہ ثواب کی خبر تھی اور نہ گناہ سے کوئی غرض۔ بس ایک ہی ایک، وحدانیت تھی۔)

17ویں صدی میں جب برصغیر سیاسی خلفشار کا شکار تھا، فرانس میں کیتھولک مذہبی عدالت نے مشہور فرینچ ادیب اور دانشور والٹیئر کے بڑے بھائی آرمنڈ کو کفر کی فتویٰ لگا کر پھانسی چڑھا دیا۔ کینڈڈ سندھی ترجمے کے ابتدایہ میں ابراہیم جویو صاحب لکھتے ہیں کہ والٹیئر نے تمام زندگی قید اور جلاوطنی میں کاٹی اور مذہبی انتہا پسندی کے خلاف جنگ لڑتے رہے۔ یہاں شاہ لطیف کا ایک شعر پڑھ کر پھر آگے چلیں گے۔

جان جان پَسين پاڻ کي، تان تان ناهه سِجود
وِڃائي وِجود، تِهان پوءِ تڪبير چئو.

- آسا

(ترجمہ : جب تک من میں خود آشنائی یا خودی ہے تب تک سجدوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ پہلے وجود کو ختم کرو پھر تکبیر کہو۔)

اسلام میں تصوف کا رنگ روزِ اول سے ہے۔ پیغمبرِ اسلام ہر قسم کے جبر، امتیازی سلوک اور غیر انسانی رویوں کے مخالف اور محبت و امن کے داعی تھے۔ ڈاکٹر گربخشانی مقدمہ لطیفی میں لکھتے ہیں کہ "کچھ چنیدہ لوگ مسجد نبوی کے احاطے میں بیٹھتے تھے اور ان کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ یہ لوگ اہل صفہ اور بعد میں صوفی کہلانے لگے۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی خلافت و ملوکیت نامی کتاب میں لکھتے ہیں: "بنو امیہ کے دور میں جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو اسلام کی اجتماعی زندگی کا نظام ہی بدل گیا۔"

ڏني ڏکويا، اَڻ ڏِني راضي ٿيا،
صوفي تي ٿيا جيئن ڪِي نہ ڪنيائون پاڻ سين.

- يمن

(ترجمہ: کچھ دیا جائے تو انہیں رنج ہوتا تھا اور نہ ملے تو راضی رہتے تھے۔ یہ صوفی تب ہوئے جب انہوں نے کچھ بھی ساتھ نہ لیا۔)

محققین کہتے ہیں کہ لفظ 'صوفی'، یونان سے آیا ہے، جہاں Sophia کی معنیٰ ہے دانائی، حکمت، جبکہ Sophas کا مطلب ہے پہچان۔

تصوف کے مقاصد:

اب شاید مجھے کھل کر بات کرنی ہوگی۔ اہل تصوف کے خیالات یہ تھے کہ مذہب یا اس کے اطلاق میں زبردستی جائز نہیں۔ عقائد کی آزادی سب کو ہونی چاہئے۔ مذہب کی ظاہری معنیٰ کے علاوہ باطنی مطلب بھی واضح کرنا چاہئے۔ آخر یہ کہ 'جیئو اور جینے دو' کا اصول قائم رکھنا چاہئے۔ مزید تفصیل آپ کو بھٹائی بتاتے ہیں۔

ڪيهي گام ڪاپڙي اهڙي روَش رونِ
نہ ڪا دل دوزخ ڏي، نہ ڪِي بهشت گهرن،
نہ ڪو ڪم ڪُفار سين نہ ڪا مسلماني مَنِ،
اُيا ائين چوَن تہ پرين ڪجاهون پانهنجو.

- رامڪلي

(ترجمہ : کس راہ کے یہ مسافر ہیں کہ ایسی رَوش اختیار کیئے ہوئے ہیں۔ نہ ان کے دل دوزخ کی طرف ہیں اور نہ ہی بہشت مانگتے ہیں۔ نہ کفار سے واسطہ رکھتے ہیں اور نہ من میں مسلمانی۔
پھر بھی یہ کہتے ہیں کہ اے محبوب! تو ہمیں اپنا لینا۔)

صوفیانہ اصلاحی شاعری :

ہم اگر ماضی کا جائزہ لیں تو اصلاحی تحاریک میں سب سے زیادہ اہم کردار شاعر کا ہے۔ سندھ سے یہ سہرا شاہ عبداللطیف کے سر ہے، جنہیں ایچ۔ٹی سورلے نے دنیا کے بہترین شعراء میں شمار کیا ہے۔ این میری شمل پنجاب میں یہ اعزاز بابا بلھے شاہ (1680-1752ء) کو دیتی ہیں۔ چلیں بابا بلھے شاہ کو پڑھتے ہیں، مغل دور کے حوالے سے :

در کھلا حشر عذاب دا، بُرا حال ہویا پنجاب دا

مونہہ بارہویں صدی پسار یا، کدی آمل یار پیاریا

☆☆

نہ میں مومن وچ مسیتاں، نہ میں وچ کفر دیاں ریتاں،

نہ میں پاکاں وچ پلیتیاں، نہ میں موسیٰ نہ فرعون،

بلھا کی جاناں میں کون ؟

محبت اور رواداری :

ہمایوں اور اکبر بادشاہ کے زمانے میں صوبہ سرحد میں روشنیا نامی صوفیانہ تحریک کا تذکرہ کتابوں میں موجود ہے۔ جی ایم سید، علامہ آئی آئی قاضی کے حوالے سے ''ساہڑ جا سینگار'' نامی کتاب میں راقم ہیں کہ : ''مسلمان صوفیوں نے سندھ میں شاہ عبداللطیف کی قیادت میں مذہب کے بنیادی اتحاد کا چرچہ کر کے مختلف مذاہب کے لوگوں میں محبت اور رواداری پیدا کی۔''

عين شِرڪ اِيءُ جِيئَن بي شِرڪ پانئِين پاڻ کي
وِڃائي وِجودَ کي، پاڻان پاسي ٿيءُ
هَڏَ ڪونهي هِيءُ، هُو پڻ ڪونهي هِن ري.

- آسا

(ترجمہ :اگر تم خود کو بے شرک سمجھتے ہو تو یہ بھی شرک ہے !وجود کی نفی کرو اور خود کو ایک طرف ہٹادو۔اگر یہ نہیں ہے تو وہ بھی اس کے بغیر نہیں۔)

سندھ جا سورما نامی کتاب میں سائیں جی ایم سید رقم طراز ہیں کہ اہل تصوف کے ادارے بین الاقوامی اتحاد اور امن کی تبلیغ کے مرکز رہے ہیں۔ صوفی، مذہب کو انسان کا تابع مانتا ہے نہ کہ انسان کو مذہب کا۔"اور بھٹائی نے کہا ہے کہ :

روزا ۽ نمازون اِيءُ پڻ چڱو ڪم
اُو ڪو بيو فَهم جنهن سان پَسجي پِرينءَ ڪي.

(ترجمہ :روزے نماز یہ بھی اچھے کام ہیں، لیکن وہ کوئی اور ہی فہم ہے، جس سے محبوب کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔)

ایک روایت ہے کہ شاہ لطیف سے پوچھا گیا : جناب! آپ سنی ہو یا شیعہ ؟ بھٹائی نے کہا کہ میں درمیان میں ہوں۔ان کا مقصد تھا کہ انسانیت، مذہبی و طبقاتی فرقہ واریت سے عظیم تر ہے۔

پُڇيو ٿي جان دوستَ، تان پاسي ڪر پرهيز ڪي،
جَنين ڏِٺو هوت، تن دِينَ سَيئي دُور ڪيا.

(ترجمہ :اگر دوست نے پوچھا ہی ہے تو تذبذب کیا کرنا۔جن لوگوں نے قدرت کو دیکھا ہے، انہوں نے سارے دین و مذاہب دُور کر دیئے۔)

دنیا میں اس وقت جو صورتحال اور نفسا نفسی کا عالم ہے، اور ہر خطے میں انتہا پسندی اور جارحیت عروج پر ہے، اس کو نظر میں رکھتے ہوئے آپ علامہ آئی آئی قاضی کے یہ جملے پڑھیں :

"سرزمین سندھ اپنے مخصوص جغرافیائی اور تاریخی حالات کے پیشِ نظر عالمی اتحاد اور امن کے لئے ایک خاص پیغام کی حامل تھی اور ہے۔ مستقبل میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ سندھ کا تصوف پوری دنیا میں تحاریکِ امن کی رہنمائی کرے گا۔"

ریسرچ میں دشواری :

شاعری میں درد کی شدت تب محسوس ہوتی ہے جب سیاسی و سماجی حالات اس نہج پر پہنچ جائیں کہ آدمی کو بھی میسر نہ ہو انساں ہونا! زیر نظر کتاب میں چند سیاسی واقعات کو

ٹول کر بھٹائی کے ابیات سے حوالے اخذ کیئے گئے ہیں جو کہ ریسرچ کے حساب سے ایک دشوار کام تھا۔ ان مشکلات کا ذکر بھٹائی پر Ph.D کرنے والے محقق ایچ ٹی سورلے نے بھی کیا ہے۔ شاہ لطیف کی شاعری میں انقلابی تبدیلی، صوفی عنایت شہید سے جھوک شریف میں پہلی ملاقات کے بعد آتی ہے۔

ڏکايوم ڏئين، جيرو اندر جندڙي
لڳي سيخ وجود ۾، سَندي نِينهَن نئين
مُشاهدي تَنهِين مون کي وِڌو مَچَ ۾.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ : جسم کے اندر کلیجے کو الاؤ کی طرح سلگادو۔ میرے وجود میں نئے عشق کی سلاخ دھنس چکی ہے، اسی مشاہدے نے مجھے الاؤ میں لا جھونکا ہے)

بندوں سے اعلانِ عشق :

یہ کیسا عشق تھا؟ یہ کیسی آگ تھی؟ ہم جب مذہبی شدت پسندی کے خلاف اہل تصوف کی جدوجہد کا جائزہ لیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ استحصالی طبقوں کے خلاف خدا کے بندوں سے اعلانِ عشق تھا جو بھٹائی کے زمانے میں حکمران طبقوں کے خلاف اعلانِ جنگ میں تبدیل ہو گیا۔ اس جنگ کی قیادت صوفی شاہ عنایت نے بعد ازاں جھوک شریف سے کی، جب اُن پر دوبار لڑائی مسلط کی گئی۔

ڏنا جيئڻ لاءِ جيڏيون ڏيرن مونکي ڏکَ
پَڳِس جان پنيورَ کان، تان سُور مڙئي سُکَ
لَتِي مون تا لک، پُنهون تِيس پاڻهين.

- آبري

(ترجمہ :زندہ رہنے کی خاطر مجھے اپنوں (دیوروں) نے دُکھ دیئے۔ بھنبھور سے جب بھاگ نکلی تب تمام دُکھ درد، سُکھ و چین بن گئے، مصیبتوں سے نجات ملی اور میں خود ہی پنھوں بن گئی۔)

بھٹائی اور بین الاقوامیت :

یہ کتاب 17 صدی کے مغل دور کی عکاسی کرتی ہے، جسے ہم chronology کہہ سکتے ہیں۔ 52 سالوں کا جائزہ ثابت کرتا ہے کہ بھٹائی ایک committed شاعر تھے،

صوفی شاہ عنایت کی ہاری تحریک سے ان کی گہری وابستگی تھی اور وہ ہر قسم کے ریاستی جبر و تشدد، ناانصافی، مذہبی جنونیت، عدم برابری، دہشت گردی اور جارحیت کے مخالف تھے۔

سائينمر سدائين ڪرين مٿي سنڌ سُڪارَ
دوست مٺا دلدار! عالم سڀ آباد ڪرين.

- سارنگ

(ترجمہ: اے اللہ سائیں! سندھ کو ہمیشہ خوشحال رکھ۔ دوست پیارے دلدار! تمام براعظموں کو بھی آباد رکھنا۔)

بھٹائی کی یہ دُعا اس بات کی ترجمان ہے کہ وہ بین الاقوامیت کے قائل تھے۔ انہوں نے سندھ کے ساتھ تمام دنیا کو بھی آباد و خوشحال رکھنے کی دعا مانگی۔

جنم، نقل مکانی:

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں محققین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ انہوں نے سن 1102 ہجری مطابق 90-1689ع میں ہالا حویلی یا سوئی قندر جاگیر میں سید حبیب شاہ کے گھر جنم لیا۔ بیٹے کے جنم کے بعد وہ کوٹری منتقل ہوگئے، کیونکہ زمین کے معاملے پر کچھ عزیز ان کو تنگ کرنے لگے تھے۔ ڈاکٹر ہوتچند مولچند گربخشانی اپنے مرتب کردہ شاہ جو رسالو میں رقمطراز ہیں کہ شاہ لطیف نے ابتدائی تعلیم، آخوند نور محمد وائی والے سے حاصل کی۔ بھٹائی کے آباؤ اجداد ہرات سے سندھ تشریف لائے تھے۔ شاہ عبدالکریم بلڑی والے ان کے پڑدادا تھے۔ سسئی پنہوں کے حوالے سے بھٹائی فرماتے ہیں:

آيم انڌي لوڪَ سين، مُنِي آئون مُنياس،
هيڏي شهر ڀنڀور ۾ نه ڪو پيءُ نه ماس!

- حسيني

(ترجمہ: بصارت سے محروم لوگوں کے ساتھ آکر میں مصیبت کی ماری تو مصیبت میں پھنس گئی۔ اس بڑے شہر بھنبھور میں نہ باپ ہے اور نہ ماں۔)

لطیف کی ذہنی تربیت :

چلئے، ہم مزید آگے بڑھتے ہیں۔ شاہ عبداللطیف کا لڑکپن گاؤں میں گذرا، اب وہ نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے والے ہیں۔ ان کے خیالات پختہ اور ذہن تازہ ہے۔ وہ دیہاتی چوپالوں میں شریک ہو کر بڑے بوڑھوں کی باتیں سُنتے ہیں۔ بادشاہوں کے قصے، مقامی حاکموں کی داستانیں، ناصحانہ نکات، سب کچھ ویسا ہی، جیسا آج بھی ہوتا ہے۔ ہر نوجوان کی طرح حُسن و عشق سے بھی ان کی آشنائی ہوئی، سندھ اور ہندستان کے حالات بھی ان کے علم میں تھے اور غریب عوام کا دکھ درد تو ان کے احساس میں شامل تھا ہی۔

بَرِ ۾ پُڇيائون، عشق جي اَسباب کي،
دارون هِنَ دردَ جو، ڏاڍو ڏَسيائون
آخِر وَالعَصر جو، اِيهين اُتائون
تِهان پوءِ آئون، سِکان تي سلامَ کي.

- کلیاڻ

(ترجمہ : کسی تنہا گوشے میں، مجھ سے عشق کے اسباب پوچھے گئے۔ اِس درد کے لئے انہوں نے خود درماں بھی تجویز کیا اور (سورہ العصر کے آخری لفظ) بالصّبر یاد دلائے۔ بس اُس کے بعد میں سلام تک کو ترس گئی۔)

خیالات میں پختگی :

اب ہم تصور کرتے ہیں کہ عبداللطیف 18 یا 19 سال کا گوراچٹا، لمبا نوجوان بن چکا ہے۔ شعور میں پختگی اور ادراک میں تیزی آرہی ہے۔ یہ نوجوان خوبصورت شاعری کرنے لگا ہے اور موسیقی کی چاہت بھی شدت پکڑ رہی ہے۔ دیکھئے، شاہ عبداللطیف عام انسانوں سے کہیں مختلف تھے۔ ان کا شمار ذہین ترین انسانوں میں کیجئے، تب ہی آپ کو محسوس ہوگا کہ ان کے اشعار آپ کے دماغ و دل میں جگہ بنا رہے ہیں۔ نوجوان عبداللطیف کے سامنے صورتحال کچھ یوں تھی۔ شاہ بیگ ارغون کی مخالفت کی پاداش میں مخدوم بلاول کی شہادت۔ یہ سزا حسن بیگ ارغون نے دی تھی کہ ان کو کولہو میں پلوا دیا جائے۔ 1555ء میں پرتگالیوں کے ہاتھوں

لُوٹ مار اور ٹھٹھہ شہر کو آگ لگانے، اورنگزیب شہنشاہ کے ہاتھوں اپنے درویش بھائی دارا شکوہ کو قتل اور سرمد کو سنگسار کرنے جیسے واقعات قصۂ پارینہ بن کے دیہاتی کچہریوں کی زینت بن گئے تھے۔ لطیف سائیں فرماتے ہیں :

پِنيءَ پَڙڪَ ڪن، باهِيون بيراڳين جون،
هَلو تہ سيڪيُون هٿڙا مَٿي تن مَچن
وٽان سَناسين، مون جڙ لڳي جان ۾.

- رامڪلي

(ترجمہ : چڑھتی خنک رات کو بیراگی مسافروں کے الاؤ روشن ہوتے ہیں۔ چلو کہ ہم بھی اُس پر اپنے ہاتھ تاپیں، انہی سنیاسیوں نے تو میری جان کو جکڑ لیا ہے۔)

شاعری اور واقعات میں ہم آہنگی :

اب ہم اس راہ پر گامزن ہیں جو ہمیں تاریخ کے سفر طے کرائے گی۔ میں نے تاریخی واقعات کو تقریباً 65 سے زائد مستند سندھی، اردو اور انگریزی کتب اور ایک سؤ سے زائد مضامین سے چُنا ہے۔ پھر ان کو شاہ لطیف کے اشعار سے سنوارا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان اشعار کا واقعات سے تعلق یا مشابہت شاعر کی شعوری کوشش ہو، لیکن ایسا ہو بھی سکتا ہے اور آپ اشعار اور واقعات میں ایک تعلق ضرور محسوس کریں گے۔

1707ء اورنگزیب کا انتقال - سیاسی عدمِ استحکام

امسال ہندستان کے بادشاہ اورنگزیب بالمعروف عالمگیر انتقال کر گئے اور مغل خاندان کے اقتدار کو دیمک چاٹنے لگی۔ ان کا زوال شروع ہو گیا تھا۔

جِن کي بادشاهيون بلند هُيون سي ويا ڇڏي ويچارا
ڪونہ رهندو ڪو هِت جيڏيُون، هِي سڀ هَلڻ هارا!

- وائي ذهر

(ترجمہ : جن لوگوں کو بلند بادشاہتیں میسر تھیں، وہ بھی چل بسے۔ یہاں کس کو رہنا ہے، یہ سب ہی جانے والے ہیں۔)

خود اورنگزیب نے 1661-1659 کے عرصے میں اپنے دو بھائیوں دارا شکوہ، مراد بخش اور دارا کے دوست صوفی سرمد کو گرفتِ اقتدار کے دوران قتل کروادیا تھا۔ (حوالہ : جنت السندھ۔ رحیم داد مولائی شیدائی) اسٹوری آف انڈوپاک کے مصنف فیاض محمود سید رقم طراز ہیں کہ "دارا شکوہ صوفی خیالات کے حامی اور مذہبی معاملات میں انتہائی آزادی کے قائل تھے۔"

دیکھئے شاہ لطیف ایک صوفی لوک کو کیا مشورہ دیتے ہیں۔

جي ڪُلاهَ رکين ڪَنڌَ تي تہ صوفِي سالِم ٿيءُ،
وِهُ وَٺي هٿ ڪري، پُر پيالو پيءُ
هَنڌ تِنين جو هيءُ، جن حاصل ڪيو حال کي.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ :اگر سر پر صوفیانہ تاج رکھا ہے تو پھر سچے صوفی بنو۔ زہر کا پیالہ تلاش کرو اور سارا پی جاؤ۔ یہ اُن ہی کا مسکن ہے، جنہوں نے حال کو حاصل کیا۔)

جیئو اور جینے دو :

اس کائنات کا تصور اور مقصد یہی سبق دیتا ہے کہ جیئو اور جینے دو کی پالیسی پر عمل کرو، زندگی آسان ہو جائے گی۔ بات ہو رہی تھی مغل سلطنت کی۔ غیر مستحکم سیاسی حالات کا اثر سندھ پر بھی ہونا تھا جسے 1592ع میں عبدالرحیم خان خاناں کے ہاتھوں مرزا جانی بیگ ارغون کی شکست کے بعد اکبر بادشاہ نے دہلی کے ماتحت کردیا تھا۔ 1-1700ع میں دہلی دربار نے میاں یار محمد کلہوڑو کو سندھ کا صوبہ دار مقرر کیا جس نے خدا آباد کو اپنا دارالحکومت بنایا۔

تین کلہوڑہ رہنماؤں کی شہادت :

اس سے قبل 1600ع میں جب مغل سلطنت نے کلہوڑوں کی میاں وال تحریک کی بڑھتی طاقت اور سندھ پر حاکمیت کے عزائم بھانپ لیئے تو انہوں نے میاں آدم، دین محمد اور شاہل محمد کلہوڑو کو شہید کردیا تھا۔ (حوالہ : شاہ لطیف آف بھٹ۔ ایچ ٹی سورلے) خاکی جویو صاحب، عبداللہ مگسی کی کتاب "سندھی تاریخ جو جدید مطالعو" کے تعارف میں لکھتے

ہیں۔ "مغل حکمرانوں نے جب دوبارہ سندھ پر کلہوڑوں کی حاکمیت قبول کی تو ان کی جاگیردارانہ فطرت اُبھر آئی، اس لئے سندھ کے اکثر عوام نے صوفی عنایت کی حمایت کی۔" اس صورتحال میں نوجوان شاعر عبداللطیف کو ایک ایسے رہنما کی تلاش تھی جو سچائی کی تلاش میں اُن کے دل ودماغ کو مطمئن کر سکے۔

کُنیسِ کُویجن، تنَ طبیب نہ گڏيا
ڏيئي ڏنيَ ڏڏنِ، پاٽا ڏِيل ڏکوئيو

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ: مجھے تو عطائیوں نے مار دیا، کیونکہ اصل معالج تو ملا ہی نہیں۔ عطائی نااہلوں نے تو گرم لوہا داغ کر میرا جسم چھلنی کر دیا ہے۔)

1708-11ء سبی اور ڈھاڈھر میں لڑائی :

1708ع میں مغل اور کلہوڑا حکومت کے مخالفوں نے مل کر سبی اور ڈھاڈھر کے قلعے اپنے قبضے میں لے لئے۔ ان کے ساتھ افغان بھی تھے جو ایک سال قبل مغلوں کے خلاف اعلانِ آزادی کر چکے تھے۔ تاریخِ کلہوڑا سے حوالہ ہے کہ میاں یار محمد کلہوڑو اور مخالفین میں گھمسان کی جنگ ہوئی، بے شمار لوگ مارے گئے اور بالآخر قلعے کلہوڑوں کو مل گئے۔ اب چار سو سال قبل کے بلوچستان کا تصور کیجئے اور اس تصویر کو دیکھئے جو شاہ لطیف نے سسئی کے حوالے سے بیان کی ہے۔

ڪَرڙا ڏونگر، ڪَهَ گهٽي جِت بَريتَ بيران
ڏاهن ڏاهپَ وِسرِي، تِيا حَريفَ ٿي حيران.

- ديسي

(ترجمہ: چاروں طرف سنگلاخ پہاڑ، اُجاڑ میداں ہیں۔ ایسے میں تو دانا بھی حکمت عملی بھول گئے اور حریف تو حیران رہ گئے!)

روس گرم پانی کی تلاش میں :

بین الاقوامی صورتحال یہ تھی کہ 1700ع میں یورپ صنعتی انقلاب کی بنیادیں

مضبوط کر رہا تھا اور روس ایشیا کے گرم پانیوں کا متلاشی تھا۔ برِ صغیر میں اکبر اعظم کے دینِ الٰہی کی گونج تھی تو سندھ میں مہدی جونپوری کے حامی سرگرم تھے۔ 1710ع میں ترکی کے عثمانی سلاطین اور روس کے زارِ اعظم میں جنگ چھڑ گئی۔ تاریخ دولت عثمانیہ سے حوالہ ہے کہ محمد پاشا ایک لاکھ ترک فوج لے کر میدان میں اُترے۔ اِسی عرصے میں مشہور ایرانی تاجر امتیاز خان سندھ کا سفر کرتے ہوئے لٹیروں کے ہاتھوں مارے گئے اور الزام کلہوڑا حکومت کے سر آیا۔

ایچ ٹی سورلے، شاہ لطیف آف بھٹ میں لکھتے ہیں کہ 1711ع میں خدایار خان کا لقب پانے کے بعد میاں یار محمد نے کچھ مزید علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ادھر بھٹائی کو ہم خیال دوستوں کی سخت ضرورت تھی کہ جن سے وہ اپنے خیالات بانٹ سکیں۔ وہ کہنے لگے :

سَجڻ سان نہ ٻيتَ ڳجھ ڳرهيان ڪِن سين
ڳالهيون اِنهيءَ ريتَ، سَلا ٻڌِي موريُون.

- رپ

(دوستوں سے ملاقات نہیں، دل کی باتیں کس سے کہوں۔ یہی وجہ ہے کہ من کے اندر کئی باتیں جمع ہو گئی ہیں۔)

1712ء لطیف کا آتشِ عشق میں کود پڑنا :

یہ انتہائی اہم موضوع ہے، کیونکہ یہی عشق شاہ لطیف کے مستقبل کے مقاصد طے کرنے والا ہے۔ اس سال عبداللطیف 22,23 سال عمر کو پہنچتے ہیں۔ اُن کے محلے میں مرزا مغل بیگ کی حویلی ہے اور مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہ مغل سرکار کا گماشتہ یعنی خفیہ جاسوس تھا۔ مغل بیگ کے اہل خانہ میں جب کوئی بیمار پڑتا تھا تو لطیف سائیں کے والد شاہ حبیب کو دعا تعویذ کے لئے زحمت دی جاتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن مغل بیگ کی بیٹی سیدہ بیگم کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ شاہ حبیب کسی وجہ سے خود نہ گئے، بلکہ نوجوان عبداللطیف کو وہاں بھیج دیا۔ انہوں نے نبض دکھانے کے لئے جب پردے سے ایک خوبصورت ہاتھ نمودار ہوتے

دیکھا تو علاج ہی بھول گئے اور نبض دیکھتے ہوئے گویا ہوئے: جس کی اُنگلی سید کے ہاتھ میں،
اُسے کوئی پرواہ نہیں۔ اب ذرا یہ شاعری تو دیکھئے!

پابوهيو پُڇن، ڪِٿي هَٿ حبيب جو،
نيزي هيٺان نِينهن جي پاسي پاڻ نه ڪن،
عاشق آزل سامُهان، اُوچي ڳاٽ اچن،
ڪُسڻ قُرب جن، مَرڻ تن مُشاهدو.

- ڪلياڻ

(ترجمہ: مسکرا کے پوچھتے ہیں محبوب کا ہاتھ کہاں ہے؟ عشق کے سنسناتے نیزے سے خود کو
وہ بچاتے نہیں، عاشق تو موت کے سامنے گردن تانے آتے ہیں۔ ذبح ہو جانا جن کے لئے
قربت ہے، ان کے نزدیک مر جانا تو محض ایک مشاہدہ ہے۔)

لطیف خاندان سے دشمنی:

کئی تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد مرزا مغل بیگ بہت ناراض ہوئے
اور شاہ لطیف کے دشمن بن گئے۔ شاہ حبیب کو مغل بیگ کی ذہنیت کا علم تھا اس لئے انہوں
نے بیٹے کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا اور دہائی دیتے ہوئے کہا:

جان ڪِي ڪري طبيب، دارُون هِن درد جا
هَٽيو سي حبيب، اُڪوڙيو آڌ ڪري.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ: جوں جوں طبیب اس درد کی دوا دیتا ہے، تو حبیب ان زخموں کو پھر سے کرید کر ہرا
کر دیتا ہے۔)

ڈاکٹر گر بخشانی لکھتے ہیں کہ مغل بیگ کے تعلقات حکومتی افسران سے بہت اچھے
تھے اور اس واقعے کے بعد وہ شاہ لطیف کا دشمن بن گیا۔ اُس نے سادات خاندان کو اس قدر تنگ
کیا کہ مجبور ہو کر شاہ حبیب کو مرزا مغل بیگ کی حویلی سے کافی دور جا کر آباد ہونا پڑا۔ شاید یہ
کیفیت بھٹائی نے یوں محسوس کی ہو گی۔

لَڏيو لطيفن، پَلاڻي پَنڌ پِيا،
هَتان حبيبن ڪڏهن ڪونَ ڏُکوئيو.

(ترجمہ : لطیف والوں نے پڑاؤ اُٹھایا اور چل پڑے، حالانکہ حبیب والوں نے کبھی کسی کو دکھ نہ دیا۔)

بلڑی اور ٹھٹھہ کا سفر :

میری ریسرچ کے مطابق شاہ عبداللطیف کو کچھ عرصے کے لئے اپنا علاقہ چھوڑنا پڑا اور بزرگوں و دوستوں کے مشورے سے وہ بلڑی شاہ کریم گاؤں میں جارہے اور ٹھٹھہ بھی گئے۔ اس دوران وہ شاہ عنایت کی ہاری تحریک سے بھی آگاہ ہوئے۔ اب وہ مقام آیا ہی چاہتا ہے جب عام عشق، عشق حقیقی میں تبدیل ہو جائے گا، لیکن ایک عشقیہ شعر تو ملاحظہ کیجئے۔ شاہ لطیف فرماتے ہیں :

جيڪي ڏِنائون سو سِر ڏيئي سَهُه جِندڙا
مَ چَوَ ڇِنائُون، اِيءُ پڻ ڳنڍيو سڄڻين.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ : جو کچھ انہوں نے دیا، وہ اپنے تئیں برداشت کر۔ یہ نہ کہہ کہ رشتہ ناطہ توڑ دیا، یہ تو پیاروں نے جوڑنے کی سعی کی ہے۔)

ڈوبتے انسانوں کا منظر :

1712ع میں ہندستان کے سیاسی حالات کچھ یوں تھے کہ مغل بادشاہ بہادر شاہ کا انتقال ہو گیا اور معزالدین جہاندار تخت نشین ہوئے۔ مولانا مہر تاریخ کلہوڑا میں رقمطراز ہیں کہ "جہاندار ایک ضدی اور عیاش بادشاہ تھا۔ اس نے لال کنول نامی ایک داشتہ پال رکھی تھی اور عیاشیوں پر اس کا خرچہ دو کروڑ روپے سالانہ تھا۔ ایک دفعہ لال کنول نے فرمائش کی کہ وہ ڈوبتے انسانوں کی آہ وزاری سننا اور یہ منظر دیکھنا چاہتی ہے۔ پس زندہ آدمیوں سے بھری ایک کشتی بیچ منجھار میں ڈبوئی گئی اور جہاندار نے لال کنول کے ساتھ اس ظلم کا نظارہ کیا۔ اب اس منظر نامے کو شاہ لطیف کے ان اشعار کی روشنی میں دیکھیے۔

کنڌي ساريان ڪانَ، يا امن يا آمان
هِن منهنجي حال تي هَئِہ هَئِہ ڪن حيوانَ
تُرَهو چِنُم تارِ ۾، رَسج تون رحمان
ٻيلِي جو ٻُڏن جو، مون تي موٽي مانَ
والي! رَسج وَهلو، آرک تيا انسانَ

- وائي سريراڳ

(ترجمہ :) کنارا بھی نہیں دِکھتا یا امن یا امان
اس میرے حال پر ماتم کریں حیوان
ناؤ ڈوبی دریا میں، مدد کر رحمان
ڈوبتوں کا جو سہارا، ہو مجھ پہ مہربان
والی! جلد آیئے! وحشی بنا انسان۔

14-1713ع مغل بیگ وجہاندار کی موت-نومڑیوں کے حملے :

اب بر صغیر میں سیاسی و سماجی شکست و ریخت کا دور دورہ ہے۔ مورخ لکھتے ہیں :
"جہاندار بادشاہ خونریز خانہ جنگی کے دوران مارا گیا اور اس کو عبرتناک موت نصیب ہوئی۔ جہاندار کی لاش پورا ایک مہینہ بے گور و کفن سڑتی رہی۔" اب شاہ لطیف کا یہ شعر پڑھیئے :

ٻِنا ڪوٺَ ڪَرَ نہ ڏي، ڪنهن وڏِي ويرم ناهي
اُتي عبداللطيف چئي، ٻِنا ڪفنَ پَراهي

- وائي آسا

(ترجمہ : موت دعوت ملنے یا اطلاع کرنے کا انتظار کیئے بنا آدبوچتی ہے۔ وہاں عبداللطیف کہے کہ بغیر کفن والے بھی کفن پہنائے جاتے ہیں۔)

مغل بیگ مارا گیا :

1713ع میں دل قوم کے افراد نے کوٹڑی مغل پر حملہ کر کے مرزا مغل بیگ کو خاندان کے تمام مرد حضرات کے ساتھ قتل کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُس زمانے میں حکمران

لُوٹ کھسوٹ میں مصروف تھے۔ سرکاری کارندے جبر و تشدد کر کے زائد محاصل وصول کرتے تھے۔ نتیجے میں مختلف قبائل ان کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے اچانک حملہ کر کے بھڑاس نکالتے تھے۔ ڈاکٹر گربخشانی "مقدمہ لطیفی" میں لکھتے ہیں: "دل قبائل نے جب پہلا حملہ کیا تو مرزا مغل بیگ اپنے سپاہیوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں نکلے۔ نوجوان عبداللطیف نے اپنا پیار کا رشتہ قائم رکھتے ہوئے ان کی مدد کرنا چاہی، جسے مغل بیگ نے رد کر دیا۔ تب لطیف کو کہنا پڑا:

بيگ تنهنجِي بيگِي کوتڙيءَ ۾ کانَہ
آتم آس الله ۾، دلَ مارينئي مانَ

(ترجمہ: بیگ! اب کوٹڑی میں تمہاری بیگی یعنی حاکمیت نہیں چلنے والی۔ اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ تجھے دل مار دیں۔)

شاہ عبداللطیف کا عقد:

مختلف تاریخی حوالہ جات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مرزا مغل بیگ کے قتل کے بعد ان کے گھر کی خواتین نے بیبی سیدہ بیگم کا رشتہ شاہ عبداللطیف کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس سلسلے میں کوئی مستند تاریخ موجود نہیں ہے، البتہ شادی کے حوالے سے سُر سسئی آبری کا یہ بیت خود ایک منظر نامہ ہے۔

پَرڻائي پُنهونءَ کي نِکيتِي نِکڙايو
بيلِي تي بانيڻ سين ڏُکيءَ ڏيج ڏيکاريو
وِلهيءَ جي وِهانءَ ۾ واڄَٽ سَڀ وَڄايو
لاهي بار پَنيور ۾، وِيندو گهوٽ وَناهِيو
پُنهون چاڃِيڙن کي رَڏي کيڻ کارايو.

– وائي آبري

(ترجمہ: نکاح کی رسم ادا کر کے دلہن کو پنھوں کے ساتھ رخصت کیجئے اور دکھی دلہن کے ہمدردوں کے اُسے جہیز دکھایئے۔ اس شادی میں گانا جانا بھی ہو، تاکہ بھنبھور میں سب کچھ

چھوڑ جانے والے دولہے میاں کی شادی ہو جائے۔ نیز براتیوں کو مختلف طعام بھی کھلایئے۔)

نومڑیوں کے حملے :

ہندستان میں مغل سلطنت کمزور پڑ جانے سے چھوٹے بڑے جاگیردار، پیر و مرشد، زمیندار اور بد معاش لوگ بھی نئی طاقت بن کر اُبھرنے لگے۔ اس سلسلے میں مزید تجزیہ ہم آگے پیش کریں گے، لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ سیاسی عدم استحکام کی اس صورتحال میں صوفی شاہ عنایت ایک ایسی تحریک کو منظم کر رہے تھے، جس کا مقصد سندھ کو مغلوں کے تسلط سے آزاد کرانا تھا۔ اس تحریک میں نومڑ شانہ بہ شانہ تھے۔ تاریخ کلھوڑا سے حولہ ہے کہ "صوبیدار میاں یار محمد نے 1714ع میں مغل بادشاہ کو خط لکھ کر آگاہ گیا کہ نومڑ قوم نے ٹھٹھہ اور سیوستان میں آگ سی لگادی ہے۔ ان کے ٹھکانے حب اور پب پہاڑوں کے غار ہیں۔" نومڑیوں کے علاوہ تمام غیر مراعات یافتہ طبقے بھی مغلوں اور مقامی کلھوڑا حکمرانوں کے مخالف تھے اور بلوچستان اور سندھ کے پہاڑی علاقے ان لوگوں کی محفوظ پناہگاہ تھی۔

بھٹائی فرماتے ہیں :

ويون پَبِ پَئِي كيرون كاھوڙين جون
آئون تِـن ڏوتِـن جو پُـڇان پَـير پَـھِي،
رُجن رات رھِـي، ڏُونگـر جن ڏورِيا.

- كاھوڙي

(ترجمہ : محنت کشوں کی قطاریں پب پہاڑوں میں غائب ہو گئی ہیں۔ میں اُن ساتھیوں کے قدموں کے نشان کھوج رہا ہوں۔ وہ، جو سنسان رات میں پڑاوڈال کے پہاڑوں کو سَر کرنے چلے گئے۔)

ان حالات میں شاہ لطیف پہاڑوں سے بھی کہتے ہیں :

ڏُونگـر ڏُكويون، تو ۾ اورڻَ آئيون
جي آچن ڦوڙايُـون، ڏِجن دلاسا تن كي

- كوھياري

(ترجمہ :اے پہاڑ، مصیبتوں کے مارے لوگ تجھے کچھ بتانے آئے ہیں۔ تُو اِن شکستہ حال لوگوں کی دلجوئی کر۔)

پہاڑوں میں خونریزی :

مذکورہ پہاڑوں میں نومڑیوں کے مقامی کلہوڑا فوج سے کافی مقابلے ہوئے تھے اور کئی لوگ مارے گئے۔ گلدستہ نورس بہار سے حوالہ ہے کہ میاں یار محمد نے ٹھٹھہ کے نواب سعید عرف عطر خان کے حکم پر یہ کارروائی کی تھی۔ بعد میں نومڑ قبائل کیچ مکران کے پہاڑوں پر گھات لگا کر رہنے لگے۔ شاہ لطیف کا یہ شعر پڑھیے :

مَ لَنوءُ کُونجِي ماٺ ڪر، چور مَ هِينئڙي چاڪَ
ڦَٽيون جي فِراق سي گهر گهاريندیون ڪيترو
- ڏهر

(ترجمہ :اے مرغابی خاموش رہ کہ تیری چہچہاہٹ روح کے زخم کُریدتی ہے۔ جنہیں مقصد کی تلاش ہو، وہ کب تک گھروں میں رہیں گے۔)

1715ء قندھار میں سیاسی تبدیلی، سِکھوں کی بغاوت :

کسی بھی معتبر شاعری کو، اس دور کے سماجی، سیاسی و اقتصادی حالات سے آگاہی کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ ورنہ عام لوگ تو شاعری کی عشقیہ و مذہبی معنیٰ سے چمٹے رہیں گے۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے :

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

دراصل برصغیر کے تمام اہل تصوف شعراء نے مغل سلطنت کی خوبیوں و خامیوں کو گہری نظر سے پرکھا ہے۔ چار صدی قبل تمام علاقے شخصی حکومتوں میں بٹے ہوئے تھے اور اب بھی یہی ہوتا نظر آرہا ہے کہ دنیا چھوٹی مملکتوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ 1715ع میں قندھار کا حکمران میرویس انتقال کر گیا اور اس کے بھائی عبداللہ نے اقتدار

سنبھال لیا، جسے میر کے بیٹے محمود غلزئی نے معزول کر دیا۔ بد امنی کی انتہا یہ تھی کہ سندھ میں صوبہ دار کلہوڑا خاندان کے حکیم میر رزاق مشرب قتل کر دیئے گئے۔

هِي سڀ هَلڻ هارا، ڪونہ رهندو ڪو هِت جيڏيون
ڪُل نفس ذائقة الموت، سمجهج اِهي اشارا.

- وائي ڏهر

(ترجمہ : یہ سب جانے والے ہیں، یہاں کوئی نہیں رہے گا۔ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے، یہ اشارے سمجھ لو۔)

سکھوں کی بغاوت :

1715ع میں ہی مغل بادشاہ فرخ سیر سے ہملٹن نے کلکتہ میں قلعہ کھڑا کرنے اور گورا فوجی پلٹن رکھنے کی اجازت لے لی۔ اس سال پنجاب میں سکھوں نے مغلوں کے خلاف بغاوت کر دی اور مولائی شیدائی رحیم داد، جنت السندھ میں لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں گروبندہ سنگھ بہادر 740 ساتھیوں کے ساتھ مغل گورنر عبدالصمد کی فوج کے ہاتھوں مارے گئے۔ اِدھر شاہ لطیف تو گرو کی راہ چلنے کا درس دیتے ہیں۔

جي پانئِين جوڳِي ٿيان، تِي گُروءَ جي گَس
ڏُک پاڻ کي ڏَس، سامِي وڏِي سِڪ سين.

- رامڪلي

(ترجمہ : اگر تُو جوگی یعنی ورکر یا کارکن بننا چاہتا ہے تو گُرو کے نقشِ قدم پر چل اور خود کو انتہائی پیار کے ساتھ درد، دکھ سے آشنا کر دے۔)

1716ء سندھ میں کسان تحریک، جو بوئے سو کھائے :

یہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ میران پور جھوک میں صوفی عنایت ایک کسان تحریک کو منظم کر چکے تھے، جو اب اپنے جوبن پر تھی۔ دن کو کھیت میں مزدور کام کرتے تھے، شام کو خانقاہِ جھوک کی مسجد میں صوفی عنایت درس دیتے اور غریب لوگوں کو اُن کے حقوق اور ان کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک اور استحصال سے آگاہ کرتے تھے۔

آگهن مِڙيِ اڄ کيو سڏ صحت کي
ڏور ڏکندا پَجُ، مِهريءَ مُنهن ڏيکاريو.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ :بیماروں، مصیبت کے ماروں نے آج مل بیٹھ کر صحت کو پُکارا ہے۔اے مشکل !اب تُو دفع ہو جا، کیونکہ مہربان دوست نے صورت دکھادی ہے۔)

صوفی عنایت کا پس منظر :

آپ 1065ء مطابق 1655ء میں جھوک میں پیدا ہوئے۔اس گاؤں کو میران پور بھی کہتے تھے، کیونکہ مہدوی تحریک کے بانی جونپور کے مہدی محمد میران یہاں کچھ عرصہ گذار چکے تھے۔ تاریخ نویس ان کو لانگاہ لکھتے ہیں، لیکن جھوک شریف کے موجودہ گدی سے تعلق رکھنے والے صوفی عبدالغفار کہتے ہیں کہ صوفی عنایت سید تھے۔دکن میں فارغ التحصیل ہونے اور تصوف اختیار کرنے کے بعد جب وہ اپنے اتالیق شاہ غلام محمد کے ہمراہ اپنے گاؤں جھوک پہنچے تو سندھ میں انہیں ہر طرف سیاسی افراتفری، سماجی پسماندگی اور معاشی بدحالی نظر آئی۔وہ کسانوں پر جاگیرداروں کے مظالم برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے ایک Slo-gan نعرہ دیا کہ "جو بوئے وہ کھائے، زمین اللہ کی ہے۔" اس اعلان کے بعد انہوں نے اپنی تمام زمین آباد کرنے کے لئے ہاریوں، مزارعوں کو دے دی۔یوں ان کے دل میں اس خیال نے جنم لیا کہ ہاری مزدوروں کو منظم کیا جائے۔

ڏکيون جان نہ مِڙن، تان تان پَنڻ نہ ٿِئي
ٻِيون هُونءَ ٿي هَٿَ هٿن روئنديون روئڻ واريون.

(ترجمہ :مصیبت کے مارے جب تک اِکٹھے نہ ہوں گے ،ماتم نہیں ہوگا۔دوسرے سینہ کوبی توکریں گے، لیکن رونا تورونے والوں کو ہی ہے۔)

کسان جاگیرداروں کو چھوڑنے لگے :

صوفی شاہ عنایت کے اعلان کے بعد کھیت مزدور جھوک شریف میں آباد ہونے لگے اور دوسری جاگیروں میں کام کرنے والوں کی کمی پڑ گئی۔ان حالات میں تمام مفاد پرست

اور استحصالی طبقے ان کے شدید مخالف ہو گئے۔ اس پر مزید گفتگو آگے ہونی ہے۔ اس لیے یہاں ہم شاہ لطیف اور صوفی عنایت کے روابط کا جائزہ لیتے ہیں۔

مُنڌ نہ مَنجھان تن پَسِي لَڪَ لُڏن جي
جا پَر ڪاھوڙين، سا پَرِ سِکِي سَسئي

(ترجمہ : ہم ان میں سے نہیں جو پہاڑ دیکھ کر لرز جائیں۔ ہم نے تو انقلابیوں والے طور طریقے اپنا لیئے ہیں۔)

صوفی عنایت سے ملاقات :

رات گئے جاری رہنے والی یہ محفلیں کسان مزدور طبقوں کے لئے روشن صبح کا پیغام بن گئی تھیں۔ ٹھٹھہ اور دیگر علاقوں سے لوگ جوق در جوق شریک ہونے لگے اور اس گذشتہ عرصے میں نوجوان عبداللطیف کی صوفی عنایت سے ملاقات ہو چکی ہے۔ جرمن دانشورہ این میری شمل اپنی کاوش Pearls from Indus ص 166 پر لکھتی ہیں کہ،
"صوفی عنایت سے نوجوان عبداللطیف کی ملاقات کرانے اور روابط کو مستحکم بنانے کے سلسلے میں ٹھٹھہ کے صوفی اسد اللہ اسماعیل کا نام لیا جاسکتا ہے۔ وہ شاہ لطیف کے قریبی دوست تھے۔ شاہ اسد اللہ اسماعیل مثنوی مولانا رومی کا درس دیتے تھے اور لطیف سائیں کے ساتھ مختلف فکری معاملات پر ان کا تبادلۂ خیال ہوتا تھا۔

خانقاہِ جھوک میں صوفی عنایت جو کام کر رہے تھے، اس کا عکس بھٹائی کے اس شعر میں دیکھئے :

وَڃ مِيران پور مڱڻا جِت ڏاتر ڏِئي تو ڏاتِ
ڪونہ پُڇي تو ذات، جي آيا سي آگھيا.

(ترجمہ :اے طالب ! میراں پور جا، جہاں پر دینے والا علم وذہانت بانٹتا ہے۔ وہ کسی سے نہیں پوچھتا کہ تُو کون ہے ؟ جو آئے، جی آئے !)

عوامی بیداری میں شاعری کا استعمال :

ڈاکٹر گُر بخشانی جھوک میراں پور میں ہونے والی ان ملاقاتوں کے حوالے سے

مقدمۂ لطیفی میں لکھتے ہیں کہ :

''صوفی عنایت نے نوجوان شاعر لطیف کو اُن خطرات سے آگاہ کیا، جو مستقبل میں سندھ کی آزادی اور استحصالی قوتوں کے خلاف تحریک چلانے میں درپیش تھے۔ اب یہ اشعار پڑھیں :

ڏِسي ڏُونگر ڏارَ متان هَلڻ ۾ هِيڻين ٿِئين
ڪي مجازياڻيون موٽيون، سُٽي پنڌَ پَچارَ
سِگهي لَهندءِ سارَ، آريچا لطيف چئي.

(ترجمہ : پہاڑی اور سنگلاخ چٹانیں دیکھ کر یہ نہ ہو کہ تم ست قدم پڑ جاؤ۔ راستے کی مشکلات سُن کر کچھ تو لوٹ گئے ہیں۔ ہاں ثابت قدم رہے تو کامیابی یقینی ہے۔)

پَسي ڏونگر ڏاهِه متان هَلڻ ۾ هِيڻين ٿِئين
پُڇِي پُورج سسئي، مَهندا بلوچاڻي باهه
اکين آڏو آهه، بِرين پَراهو مَ چَوين.

(ترجمہ : پہاڑی سلسلے دیکھ کر آگے چلنے سے نہ گھبرانا۔ اے سَسئی تمام معلومات حاصل کرنے کے بعد اس راہ پر چلنا کہ آگے آگ ہی آگ ہے۔ منزلِ مقصود آنکھوں کے سامنے ہے، اُسے دُور نہ کہو۔)

ہم کہہ سکتے ہیں کہ قومی آزادی کی یہ تحریک چلانے کے لئے صوفی عنایت شہید کو مزدور کسانوں کی عسکری طاقت کے علاوہ لطیف جیسے عوامی شاعر کی بھی ضرورت تھی۔ پس اس طرح انہوں نے پہلے Think Tank کے نیٹ ورک کی تکمیل کی۔

باضابطہ قومی و طبقاتی تحریک :

صوفی عنایت نے استحصال، جاگیرداری، مذہبی، سماجی، ریاستی جبر و تشدد، بنیاد پرستی اور شخصی آمریت کے خاتمے کا جو خواب دیکھا تھا، بلاشبہ اُسے قومی و طبقاتی تحریک بنانے کا سہرہ اُنہی کے سر جاتا ہے۔ کامریڈ جام ساقی ایک مضمون میں لکھتے ہیں، ''سندھ میں گر صوفی عنایت شہید کی تحریک کامیاب ہو جاتی تو آج سائنس و ٹیکنالاجی انقلاب کی قیادت یورپ اور آمریکا نہیں، بلکہ سندھ کرتا۔'' اس بات کو حکمران طبقے بھانپ چکے تھے کہ ڈوران

کے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔اب اس تحریک کے مخالفوں میں پیر و مرشد بھی یکجا ہوگئے۔

مُئي هاٿيءَ تي مامرو اچي ڪيو آنڌن،
مَناڙِين هٿن سين، اکيين ڪِينَ ڏِسن،
في الحقيقت فِيل کي، ڪي سچا سڃاڻن،
سندِي سردارن، بصيرت بِينا ڪري.

- آسا

اب آپ بھٹائی کی زبانی ان حالات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

(ترجمہ : مردہ ہاتھی (فرسودہ روایات) پر اندھے آکر جمع ہوگئے ہیں۔وہ ہاتھوں سے اس کو ٹٹولتے ہیں، لیکن آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے، حقیقت میں ہاتھی کو کچھ دیدہ ور ہی پہچان سکتے ہیں۔)

ریاستی علماء سے اختلاف :

مذہبی معاملات میں صوفی عنایت انتہائی رواداری اور آزادی کے قائل تھے۔ تصوف کا یہ سلسلہ اگر عالمگیریت اختیار کرتا تو دنیا آج مذہبی انتہاپسندی، بنیاد پرستی اور سامراجی دہشت گردی کا شکار نہ ہوتی۔ صوفی عنایت موسیقی یا سماع کو جائز سمجھتے تھے اور جُھک کر ملنا پسند کرتے تھے۔ ٹھٹھہ کے چند ریاستی علماء اُن کے مخالف تھے، اِن کی رسائی دربار تک تھی اور یہ حکومتی معاملات میں فتویٰ جاری کرتے تھے۔

ان ریاستی علماء نے دربار میں شکایت کی اور اجازت ملنے کے بعد صوفی عنایت کے استاد محترم شاہ غلام محمد کو جُھک (کورنش بجالا) کر ملنے کے پاداش میں سزا سنادی۔ تذکرہ صوفیائے سندھ سے حوالہ ہے کہ اس زمانے میں کوڑے مارے جاتے تھے۔ بُدھ مت کی طرح جُھکنے پر بھٹائی کا تبصرہ یہ ہے :

مُونا طُور سِينا، سَندا سَناسِين
سَجدي ۾ سيد چي گوڏا گودڙين
فَڪان قاب قَوسَين اَو ادنيٰ، تا نانگا ائين نِمن،
ري پُرڻ ري بولڻ تا اهڙِي چالَ چَلن،
سيد چي سَندِيَن تون ڪَلَ پُڇين تو کهڙي.

- رامڪلي

(ترجمہ: سنیاسی یا صوفی لوگوں کے گھٹنے طور سینا کی طرح ہیں۔ ان کے گھٹنے سجدے میں رہتے ہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ رسول پاکؐ دو کمانوں سے بھی زیادہ خدا کے نزدیک گئے اور انقلابی فقیر بھی اسی طرح جھکتے ہیں۔ وہ چلے اور کیے ہنا یہ چال چلتے ہیں۔ سید کہے تم ان لوگوں کی کیا بات کرتے ہو۔)

اس سانحے کے بعد صوفی عنایت نے اپنے استاد شاہ غلام محمد کو واپس دہلی بھجوا دیا اور خود ٹھٹھہ سے اپنے گاؤں جھوک منتقل ہو گئے۔

ڏورِينديَس ۾ ڏُونگرين کنڊِيس آئون اُچَلَ
هيڏي شهر ڀَنڀور ۾ رهان نہ هِڪ پَل
- وائي ديسي

(ترجمہ: میں چٹانوں پر چلوں گی، لیکن اتنے بڑے بھنبھور شہر میں اب ایک پل بھی نہ رہوں گی۔)

دیکھا آپ نے، بھٹائی نے کس طرح صورتحال کی عکاسی کی ہے۔ آگے بڑھتے ہوئے ہم دیکھیں گے کہ حالات کس طرح خراب ہوتے ہیں کہ ہر دور میں تاریخ کے البم میں ایک نئے شہید کی تصویر شامل ہو جاتی ہے۔

مغلوں کے نواب سے اختلاف :

موجود تاریخی حوالہ جات سے موسوم ہے کہ جب اعظم خان ٹھٹھہ کے نواب بنے تو ایک دن وہ صوفی عنایت سے ملاقات کے لئے جھوک میرانپور گئے۔ جب وہ خانقاہ پہنچے تو صوفی عنایت اہم میٹنگ کر رہے تھے۔ اس وجہ سے نواب کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑا جو انہیں ناگوار گذرا۔ اجازت ملنے پر جب ملاقات ہوئی تو نواب نے شکوہ کرتے ہوئے کہا :

"درِ درویشان دربان نباید" یعنی درویش کے دروازہ پر دربان نہیں ہونے چاہئیں۔

جواباً صوفی عنایت نے کہا :

"بشاید کہ سگِ دنیا نیاید" یعنی یہ دربان دنیا کے کتوں کو روکنے کے لئے ہیں۔

تاریخ کلہوڑا میں درج ہے کہ اُس یہی بات دشمنی کا سبب بن گئی۔ دیکھئے شاہ لطیف کا تبصرہ :

كُتو چي قَريب جا، آهيون ساڏَ سَڃي،
پَهرين بات بَهِي، پُڇون پوءِ پانڌين کي.

- معذوري

(ترجمہ :دربان کہتا ہے کہ ہم آدمی آدمی کو پہچانتے ہیں۔ کسے دیکھتے ہی کتے پہلے بھونکتے ہیں، پھر پُوچھتے ہیں کہ کون !)

میں اپنی ریسرچ کی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ مغلوں کے نواب اور صوفی عنایت کے درمیاں کافی سخت کلامی ہوئی تھی اور اُس کے پس منظر میں جاگیرداروں، ریاستی علماء اور مفاد پرستوں کی شکایتیں تھیں کہ یہ کھیت مزدور تحریک سندھ کے تمام استحصالی نظام کو تباہ و برباد کردے گی۔ دیکھیں بھٹائی کیا کہتے ہیں :

نَڪين آهيون چُهڙا، نَڪي آهيون چور،
هاگاما ۽ هَورَ، ڪُتا ڪَرئين ڪِن سين.

- معذوري

(ترجمہ :نہ ہم چمار ہیں نہ چور، کتے! یہ بد تمیز اور دھمکی آمیز لہجہ تُو کن لوگوں کے ساتھ اختیار کررہا ہے۔)

صوفی عنایت باغی قرار :

اس حوالے سے اشعار تو کافی ہیں، لیکن ہمارا سفر طویل ہے۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ خانقاہِ جھوک میں بچاؤ کی تدبیریں ہورہی تھیں کیونکہ خبر مل چکی تھی کہ اب ریاستی طاقت کا استعمال ہوگا۔ درباری شاعر عطا ٹھٹھوی نے اردو نظم لکھ کر صوفی عنایت کو عنادی یا باغی قرار دے دیا۔ زمانۂ قدیم و جدید کی Ruling methodology میں فرق کوئی نہیں !اور شاہ لطیف خبردار کررہے تھے۔

پِره ڦُٽي رات گَئِي، جِهيٽا تِيا نَڪٽَ،
هارِي ويئِي وَٽ، گهٽا هَٽنڊين هَٿڙا.

(ترجمہ :سپیدی دِکھائی دی اور رات گئی، تارے ماند پڑ گئے۔ اے کسان! یا ہارنے والے بچا کھچا بھی گیا تو بہت ہاتھ مَلو گے۔)

1716ء خانقاہ پر حملہ :

آخر وہ بد نصیب دن آ ہی گیا، جب جاگیرداروں کے ہتھیار بندوں نے خانقاہِ جھوک کی زمین پر دھاوا بول کر کثیر تعداد میں کھیت مزدوروں کو ہلاک کر دیا۔ اس کارروائی کا مقصد حراسان کرنا تھا اور یہ تو اختتام کی شروعات تھی۔ حملہ کن لوگوں نے کیا یہ سب ہی جانتے تھے۔

مون کي جِنين ماريو سُڄاتم سيئِي،
پُنهونءَ پيڪان پَچنديا ٻِلن تان ٻيئِي،
ويڄنئون ويئِي، تي وهِيٽِي سَڄٽين.

- ڪوهياري

(ترجمہ : مجھے جن لوگوں نے مارا، میں نے انہیں پہچان لیا ہے۔ بڑی ہاہاکار مچی اور کچھ لوگ طبیب کے ہاتھوں سے نکل کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔)

پھر جیسا کہ آج تک سیاست میں ہوتا ہے، وہی ہوا اور مارنے والے حملہ آور بھی شہید فقراء اور کھیت مزدوروں کی فاتحہ اور سانحے پر افسوس کرنے آئے ہوں گے تو شاہ لطیف نے کہا:

سَرتيون سُوراتين جي، ڪوه تِيون پَٽر پُونِ؟
گهاءَ نہ لڳن گهٽَ جو، رِيا مان تِيون رُونِ،
چيتارئو نہ چُونِ، پارَ منهنجي پِرينءَ تان.

- ڪوهياري

(ترجمہ : وہ دردمندوں سے تعزیت کیوں کرنے آئے ہیں؟ ان کے دل میں درد نہیں اور ان کا آنسو بہانا محض ریاکاری ہے۔ یہ تو آہ و زاری بھی نہیں کر پا رہے۔)

انصاف کا مطالبہ :

- سانحے کے بعد شاہ عنایت نے ایک وفد مغل بادشاہ فرخ سیر سے ملنے دہلی بھیجا۔ تاریخی کتابوں میں ذکر ہے کہ بزدلی و کمزوری فرخ سیر کی خصلت تھی۔ وہ گھوڑے پالنے پر ہزاروں روپے خرچ کرتا تھا۔ اُس نے بادشاہ کی بدحالی اور بے وقاری کا تذکرہ کرنے پر مشہور شاعر جعفر زٹلی کو مروا دیا تھا۔ خانقاہِ جھوک کے وفد نے صوفی عنایت کا خط فرخ سیر کے حوالے کر کے جاگیرداروں کے مظالم سے آگاہ کیا۔ اُن کی فریاد بھٹائی کی زبانی سُنیئے!

ڏُونگرَ مون مَ ڏُکوءِ، آن اڳ ڏُکوئي آهيان،
ساريان ڪونہ سُکوءِ، سُور گھٽيئي سَنيران.

- کوهياري

(ترجمہ :اے استحصالی لوگو! ہم پہلے ہی مصیبت کے مارے ہیں۔ ہم پر مزید ظلم کے پہاڑ نہ ڈھاؤ۔ سکھ تو ہمیں ایک بھی یاد نہیں، غم سارے یاد ہیں۔)

لگان معاف اور مالی امداد :

یہ دردناک حالات سن کر فرخ سیر جیسا آدمی بھی پسیج گیا۔ اُس نے خانقاہِ جھوک کی زمینوں پر لگان معاف کر دیئے اور شہیدوں کے ورثاء کو مالی مدد دینے کا اعلان بھی کیا۔ حملہ آور جاگیرداروں اور استحصالی گروہ کی یہ عبرتناک شکست تھی۔ لیکن یہاں شاہ عنایت، شاہ لطیف اور ان کے رفقاء کو اندازہ ہو گیا تھا کہ معمولی فتح، بدترین حالات کی غماز ہے۔ ادھر شاہ لطیف عوام کو جگانے میں مصروف ہیں :

بَندر جان ٻيئِي تہ سُکاڻيا مَ سُمهو،
کَپر تو کُنَ کري جيئن ماٽيءَ مَنجھہ مَهِي،
ايڏو سُور سَهي، ننڊ نہ ڪجي ناکئا.

- سريراڳ

(ترجمہ :اے کشتی بانو! بندرگاہ خطرے کی زد میں ہے۔ کنارے پر طوفانی لہروں کا شور اس طرح ہے، جیسے کوئی دودھ سے چھاچھ نکال رہا ہے۔ اِن حالات میں تمہیں نیند نہیں کرنا چاہیئے۔)

کسانوں کی جنگی تربیت :

مستقبل کے اندیشے مدنظر رکھتے ہوئے صوفی عنایت نے خانقاہِ جھوک کے کھیت مزدوروں اور پیروکاروں کی گوریلا جنگی تربیت کا اہتمام کیا، اس کا مقصد کسی بھی جارحیت کی حالت میں اپنا دفاع کرنا تھا۔ ماضیٔ قریب میں ارغون غاصبوں کے ہاتھوں مخدوم بلاول اور مغلوں کے حوالے سے کلھوڑا بزرگوں کی شہادت کے واقعات دوراندیشی کا سبق دے رہے تھے۔ آیئے شاہ لطیف کو پڑھتے ہیں :

گھوڙن ۽ گھوٽن جيئڻ تورا ڏينھڙا،
ڪڏھن مَنجھ ڪوٽن، ڪڏھن راھِي رڻ جا.
- ڪيڏارو

(ترجمہ :گھوڑوں اور بہادروں کی زندگی مختصر ہوتی ہے۔وہ کبھی قلعہ بند ہوتے ہیں تو کبھی میدانِ جنگ میں۔)

اب آپ دیکھئے کہ وہ کسانوں، اپنے رفقاء و فقراء اور عوام کو کس طرح تربیت دے رہے تھے۔ صوفی عنایت کوئی War Lord تو نہ تھے، وہ تو ذہنوں میں انقلاب لانا چاہتے تھے اور یہی کام شاہ لطیف اپنی شاعری کے ذریعے بھی کر رہے تھے۔

ڪاٽا تِن ڪَتيو، اُجھاڻن اُونداھ،
جن اندر بَري باھ، سُڌ سي ڪا اُن ڪي.
- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ :جو لوگ اندر ہی اندر سُلگ رہے ہیں، وہ فاتح ہیں، جو بجھے ہیں، وہ شکست خوردہ ہیں۔ جن لوگوں کے دل میں آگ لگی ہے، انہی کو اس کا پتہ ہے۔)

عوام کی تربیت :

ہم جیسے ہی آگے بڑھتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ شاہ لطیف کس طرح لوگوں کو آگاہی دے رہے ہیں۔ ہم فرض کرتے ہیں کہ لیکچرز کے ذریعے سامعین کو بتایا جاتا ہے کہ لڑنے کی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اہم باتوں کا راز میں رہنا ضروری ہے۔ دشمن کی چال پر نظر رکھنی چاہئے اور اپنا عمل خاموشی سے انجام دینا ہے۔ شاہ لطیف یہی گُر انہیں شاعری کے ذریعے سکھا رہے تھے، کیونکہ اہل تصوف اور ان کے پیروکاروں کے درمیان شاعری و موسیقی رابطے کا بہترین ذریعہ ہے۔

اَنت نہ ڏِجي عامَ کي، لوڪان ڪجي لِڪَ،
پاڻَ ۾ پاريُون ڪري، نِينھن وَھائِجي نِڪَ.
- وائي سريراڳ

(ترجمہ :باطن کو سب کے سامنے ظاہر نہ کرنا چاہئے بلکہ لوگوں سے چھپاؤ۔ اپنی باتیں، پیار کی نہر کی صورت بتاؤ)

عوام کو شاہ لطیف جس طرح بیدار کرتے ہیں، وہ دیکھئے!

غافل غفلت ڇوڙ، تون ڪيئن آٽاسِي اوجَهرين؟
ڇُپاتا چڙهِي ويا، وجي پهتا توڙ،
نيٽن نِنڊ اُکوڙ، جم وَرن ۾ واڪا ڪرين.

- ڪوهياري

(ترجمہ: اے غافل! غفلت کو چھوڑ، تم یہ کیا اُونگھ رہے ہو؟ وہ خاموش رہنے والے منزل تک جا پہنچے۔ اپنی آنکھوں سے نیند کو بھگاؤ، ورنہ بھول بھلیوں میں ٹاپتے رہو گے۔)

کھیت مزدوروں کی اس تحریک کا چرچہ اب پورے ہندستان میں تھا۔ پروفیسر عبداللہ مگسی اپنی کتاب "سندھ کی تارخ کا جدید مطالعہ" میں لکھتے ہیں: "خانقاہِ جھوک کا نظام چلانے کے لئے جمہوری طرز سے منتخب ایک کونسل موجود تھی، جب کہ دہلی میں شاہ غلام محمد کسان تحریک کا آفیس چلا رہے تھے۔

راهو تنهنجي رِيت پَرڪندين پَڌرِي،
گهٽا گهوڙن چاڙهيِئي مسافر مسيت،
پُڇين ڪانَہ وَڏِيت، جي آيا سي آگهيا.

- بلاول

(ترجمہ: اے قائد، تیری کاوشوں کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا ہے۔ تم نے مسجد کے کئی مسافروں کو گھوڑے پر سوار کیا ہے۔ تم چھوٹے بڑے کا فرق نہیں رکھتے۔ جو آتے ہیں، فیض پاتے ہیں۔)

سُرخ آسمان، سبز زمین:

اس عرصے میں لطف علی خان ٹھٹھہ کے نواب نہ رہے اور مغلوں نے اعظم خان کو نواب مقرر کردیا۔ کھیت مزدور تحریک کے تمام مخالف اب اس کے آس پاس منڈلانے اور اُسے بد ظن کرنے لگے۔ نواب سے کہا گیا کہ صوفی عنایت اور ان کے رفقاء عوام کو مغل حکومت کے خلاف بغاوت پر اُبھار رہے ہیں اور وہ سندھ پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر قوم اور وطن پرستی گناہ ہے تو یہ سرزد ہونا ہی تھا۔ بھٹائی سمجھاتے ہیں:

جيڪا ڪندي سَڱَ مون جيئن ٻاروچن سين،
اُڪهن چاڙهي اَنگ، روئندي سا رت ڦُڙا.

(ترجمہ: جو میری طرح قوم سے رشتہ جوڑے گا، اُسے جسم کو نیزے پر چڑھانا پڑے گا اور خون کے آنسو بہانے ہوں گے۔)

مغلوں کے درباری شاعر عطا اور محسن ٹھٹھوی بھی کھیت مزدور تحریک کے حوالے سے زہر اُگل رہے تھے۔ تاریخ کلہوڑا سے نقل ہے کہ نواب اعظم خان ذہنی طور پر پست انسان تھا اور صوفیوں کے مخالف اُسے استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ سبز زمین کے اوپر نیلے آسمان کا رنگ سرخی میں تبدیل ہونے والا تھا اور لطیف کہہ رہے تھے:

سُرمو سُرخيءَ جو جڏهن پاتو جن،
تڏهن ڏِٺي تن، رونقَ رتي جهڙي.

(ترجمہ: جب اُنہوں نے سرخ سُرمہ ڈالا تب انہیں سرخ رونق نظر آنے لگی۔)

ساتھ ہی وہ مخالفانہ حالات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔

جَبل جَلدايُون ڪري، تِڪَ ڏيکاري تاءُ،
لڳي لُڪَ لطيف چي، مَعذُورَن مَتاءُ.

- آبري

(ترجمہ: پہاڑ اُن کے آڑے آرہا ہے اور سورج جُھلسانے لگا ہے۔ لطیف خبردار کرتا ہے کہ مظلوم لوگوں پر گرم لُو چلنے والی ہے۔)

لگان دینے کا حکم:

اب غاصبوں کو بہانے کی تلاش ہے۔ سو نواب اعظم نے جاگیرداروں کے اشارے پر حکم دیا کہ صوفی عنایت جھوک میراں پور کی زمین کا لگان ادا کریں۔ وہاں سے جواب ملا کہ لگان بادشاہ فرخ سیر نے معاف کیا ہے۔ آپ وصول کرنے والے کون ہیں؟ بھٹائی نے بھی لگان نہ دینے کا، شاعری میں اعلان کردیا۔

سَرٽِين جي سُک لاءِ سامَ ڪنئِي سردارَ،
جي آيون اَبڙي جي آڌار، سي سُونگ نہ ڏِينديون سومريون.

- بلاول

(ترجمہ : غریب کسانوں کو اُن کی بھلائی کی خاطر سردار نے پناہ دی ہے۔ جو اس کے بھروسے پر ہیں، وہ کبھی لگان نہیں دیں گے۔)

بغاوت کی شکایت :

یہ جواب ملتے ہی نواب اعظم غصے میں لال پیلا ہو گیا اور دہلی کو لکھ بھیجا کہ صوفی عنایت اور ان کے ساتھی، کسانوں کو فوجی تربیت دے کر بغاوت کی تیاری کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ سورش کو سختی سے کچلا جائے۔ پھر نواب نے اپنی فوج کو صف بند کیا اور صوبیدار میاں یار محمد کلہوڑو، دوسرے جاگیرداروں و پیر مرشدوں کو بھی حکم دیا کہ لڑنے کے لئے نفری اور خرچہ دیا جائے۔

ڏُک لَڳو ڏُونگر ٻَريو، پَينر ڪاٽِي پُون،
مَنان لاٿو مُون، سَندو جِيئڻ آسرو.

- حسيني

(ترجمہ : مصائب کچھ ایسے ٹوٹے ہیں کہ پہاڑ سلگ اٹھے اور زمین جل گئی۔ میں نے دل سے زندہ رہنے کا خیال ہی ترک کر دیا۔)

1716ء خانقاہِ جھوک کا محاصرہ :

مستند تاریخی حوالہ جات میں مذکور ہے کہ سرکاری فوج نے میاں یار محمد کی قیادت میں خانقاہِ جھوک کا محاصرہ کر لیا۔ اس سے قبل صوفی عالموں نے جنگِ خندق والی حکمت عملی اختیار کر کے خانقاہ کے چاروں طرف خندق کھود ڈالی تھی۔ ان حالات میں لطیف سب کی ہمت بڑھا رہے تھے۔

لَٽُ مَ لاڙائُو تِيو، هَلِي ڪر هِمتَ،
سِج سامهُون مُنهن ۾ مَتان ڪرين ڪَتَ،
تہ سُپيريان جي سَتَ ڳاڙهي سِجَ ڳال مِڙين.

- حسيني

(ترجمہ : پیچھے نہ ہٹ، سورج ڈھلنے کو ہے، چلنے کی ہمت کر، سورج کو سامنے پا کر، اندازے لگانے میں نہ اُلجھ۔ تم جلد ہی سرخ سورج کی موجودگی میں منزل کو پاؤ گے۔)

کسان فورس کا خوف :

جھوک میراں پور گھیرے میں تھا اور خانقاہ حملے کی زد میں، لیکن سرکاری فوج ڈر کے مارے حملہ نہیں کر رہی تھی۔ انہیں صحیح اندازہ نہیں تھا کہ خانقاہ میں کتنے ہتھیار بند موجود ہیں۔ صوفی عنایت نے اپنی کسان فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ لوگ خاموش رہیں اور پہل نہ کریں۔ یہی تصوف کی تعلیم ہے کہ جیئو اور جینے دو۔ یہ بات شاہ لطیف نے دیکھئے کتنے خوبصورتی سے سمجھائی ہے :

هُو چـوُنئي تون مَ چئو واتان وَرائي،
اگ اگرائِي جو ڪري خطا سو ڪائي،
پاند ۾ پائي ويو ڪِيني وارو ڪينَ ڪِي.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ :وہ بکتے رہیں لیکن ان کو جواب نہ دو، نقصان اسی کا ہوتا ہے جو جارحیت کرنے میں پہل کرتا ہے۔اور سب جانتے ہیں کہ کینہ پرور اور متعصب کی جھولی خالی ہی رہتی ہے۔)

چار مہینے محاصرہ :

اب ذرا جنگی صورتحال کا نظارہ کرتے ہیں۔ سرکاری افواج سے کافی فاصلے پر جھوک جانے والی سڑک کے کنارے بڑے خیمے گاڑے گئے ہیں، جن میں سارے ہی مخالفین، میاں یار محمد کی قیادت میں مشاورت کرتے ہیں۔ یہ روز کا معمول ہے اور تحفۃ الکرام سے نقل ہے کہ یہ صورتحال چار مہینے رہی۔ محاصرے کی طوالت سے دیہاتی لوگ پریشان تھے۔ ہر طرح سے آنا جانا بند تھا۔ شاہ لطیف کے سلسلے میں کوئی مستند روایت میسر نہیں کہ وہ کہاں تھے، لیکن وہ محاصرے کا بیان یوں کرتے ہیں :

ڪرَ خراب تِـئين، هَـيا هَـچارا،
پُـورائيـہ پِـرين جا چوڏاري چارا،
مَـريـن مُـنهن ڪارا سَـڙي انهيءَ سورَ ۾.

--آسا

(ترجمہ :اے ظالم خر! تو خراب و خوار ہو جائے، تو نے دوستوں کے راستے چاروں طرف سے بند کر دیئے ہیں۔اے کل موئے! تو اسی درد میں جل کر مر جائے گا۔)

چھوٹی موٹی جھڑپیں :

مغل فوج کے پاس ہاتھیوں پر لدی توپیں تھیں اور محاذِ جنگ کے کمانڈر میر شہداد اور محمد خان کلہوڑو تھے۔ جبکہ کسان فوج کے پاس لکڑی کا ایک زنبورچہ تھا، جس کی کوئی وضاحت تحقیقی کتابوں میں موجود نہیں۔ یہ منجیق جیسی وہ توپ ہو سکتی ہے، جیسی عربوں نے سندھ میں استعمال کی ہوگی اور وہ پتھر کا گولہ داغتی تھی۔ ان چار مہینوں میں بھرپور جنگ تو نہ ہوئی، لیکن چھوٹے موٹے حملے روز کا معمول تھے۔ خانقاہ کے فوجی بھی رات کو گوریلا ٹائپ گھات لگاتے اور سرکاری فوج کو نقصان پہنچاتے تھے۔ لطیف کہتے ہیں :

اَسُک جن اوير سي سانجهيءَ رهن سُمهِي
لاهوتِي لطيف چي، آڌيءَ ڏِين اُلير.

- رامڪلي

(ترجمہ : جنہیں رات گئے، بیچینیوں کا فکر ہے، وہ مغرب کے وقت سو جاتے ہیں۔ لطیف کہے کہ لاہوتی یعنی اہل تصوف، آدھی رات کو چھال مارتے ہیں۔)

1717ء- جھوک میں باقاعدہ جنگ کا آغاز :

تاریخ کلہوڑا میں درج ہے کہ بالآخر اکتوبر مطابق 18ذوالقعد 1129 ھ سے سرکاری فوج نے باقاعدہ حملے شروع کر دیئے۔ کسان فوج گوریلا جنگ لڑ رہی تھی۔ وہ اچانک گھات لگا کر سرکاری فوج کا شکار کرتے اور ذخائر کو تباہ کر دیتے تھے۔ یہ صورتحال حملہ آور کے لئے مایوس کن تھی۔ اب شاہ لطیف بہادروں کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

سُورهَ مَرين سوبَ ڪي ته دِل جا وهم وِسار،
هَڻ ڀالا وِڙهه ڀاڪُرين آڏي ڍال مَ ڍار،
مَٿان تيز ترارَ، مارِ ته مَتارو ٿِئين.

- ڪيڏارو

(ترجمہ :اے بہادر! اگر فتح چاہتا ہے تو دل کے اندیشے ختم کر۔ بھالے مار، دست بہ دست لڑ اور ڈھال کی پرواہ نہ کر۔ بلکہ بڑھ کے تیز دھار تلوار کا وار کر کے فاتح بن جا۔)

خاموش رہو، سلامت رہو :

چلیں آگے، کسان فوج اس حدیث نبویؐ پر عمل پیرا تھی کہ "جو خاموش رہا، وہ سلامت رہا۔" صوفی عنایت ایک مختصر فوج کے ساتھ بڑی جنگ لڑ رہے تھے۔

ڪاري ڪَڪَر هيٺ مون جهيڙيندي ڇڏيا،
ڪارا ڪُند هَٿن ۾ آڙل وَڇيرا هيٺ،
تِي تِنين سين ڏيٺ، موٽڻ جنين ميهٽو.

- ڪيڏارو

(ترجمہ : میں نے کالے بادلوں تلے انہیں لڑتے چھوڑا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں آہنی نیزے تھے اور یہ اڑیل گھوڑے بپھرے ہوئے تھے۔ یہ ان لوگوں سے ملاقات تھی جو واپس مڑنے کو طعنہ سمجھتے ہیں۔)

مارے جاتے، راز نہ اُگلتے :

یہ کسان گوریلے دشمن کے ہتھیار اور دیگر ذخائر چھین لیتے تھے اور تھکے ہارے سرکاری فوجیوں پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ جو پکڑے جاتے مارے جاتے، لیکن راز نہ اُگلتے :

جي پائڻين پِرين مِڙان سِک چوران ڪِي ذاتِ،
جاڳڻ جَشن جن ڪي، سُک نہ سارِي رات،
سَلي سُوريءَ چاڙهيا، بِيان ڪَن نہ بات،
توڙي ڪُسن ڪات، ساڳِي سَلِن ڪين ڪي.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ :اگر تم اپنے محبوب مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو چوروں کے طریقے سیکھو۔ جاگنا ان کے لئے جشنِ سماہے اور رات بھر آرام نہیں کرتے۔ اگر پکڑے بھی جائیں تو سولی چڑھ جاتے ہیں، لیکن ایک لفظ بھی بیان نہیں کرتے۔ اگر ان پر تیز دھار آلہ چلے تو بھی خاموش رہتے ہیں۔)

ایک اور خوب صورت شعر دیکھئے کس طرح عکاسی کرتا ہے۔

جيھَر لوڪ جَھپَ ڪري اوھَير اُڏامن،
پِتون جي پاتارَ جا، چَيتاريو چِڻن،
ڪوه ڪندا ڪي، تن پاڙھيرِي پَهُه ڪري.

- ڪارايل

(ترجمہ: جب لوگ اونگھتے ہیں تو یہ اُڑان بھرتے ہیں۔ وہ بڑی ہوشیاری سے قیمتی موتی چُگتے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کو شکاریوں کے ارادے کیا کریں گے۔)

اب رفتہ رفتہ میری بات اور بھٹائی کی شاعری آپ سمجھ رہے ہوں گے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ تاریخ کے قالین میں اس شاعری کو رنگین پھولوں کی طرح بُن سکوں۔

خانقاہِ جھوک کو اُڑانے کا فیصلہ :

اپنی افواج کی کسان گوریلوں کے ہاتھوں تباہی دیکھ کر نواب اعظم نے اپنے حواریوں سے مشورہ کیا اور یہ طئہ ہوا کہ خانقاہ کو توپوں سے اُڑا دیا جائے۔ کسی طرح اس خطرناک سازش کی خبر صوفی کونسل کو مل گئی اور صوفی عنایت نے حکمت عملی میں تبدیلی کا فیصلہ کیا۔ طئے ہوا کہ رات کو گوریلا حملے روک کر دن میں اچانک حملہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے دو ہزار تازہ دم نفری تیار کی گئی۔

ڪاھي وَجو ناڪُئا ڪَريو بُري تي بَڇَ،
ڪُنَ ڪَڙڪو ڏاڍو، اڳيان آتوَ اَڃَ.

- وائي گھاتو

(ترجمہ: "ساتھیو! جاؤ برے لوگوں پر حملہ کردو، اگرچہ آگے بھنور کی گڑگڑاہٹ اور پانی کی سپیدی ہے۔)

دشمن کی چالیں ناکام :

بس اس کے بعد سرکاری فوج کی سب کوششیں بیکار ہوگئیں اور انہیں بھاری جانی نقصان اُٹھانا پڑا۔ صوبیدار یار محمد کلہوڑو کا ہاتھی بھی کسان فوج کے نرغے میں پھنس گیا تھا اور کسان فوج کی تعداد میدانِ جنگ سے لکھے خط میں اُس نے 1700 بتائی تھی۔ لطیف نے کہا کہ حِرفَت حَرِيفن جي پيري يَڳائين یعنی انہوں نے دشمن کی چالیں ناکام بنا دیں۔

کَر جا کَڏَ کَنئين پَوَڻ ڪارڻ پرينءَ جي،
تنهن ۾ پاڻ پيئِي، غيبتِي غارِ تيو.

- آسا

(ترجمہ :دشمن نے ہمارے دوست کو گرانے کی خاطر جو گڑھا کھودا تھا، اس میں وہ عیار خود غرق ہو گیا۔)

معاہدے کا فیصلہ :

اس جنگ میں فتح کا دعویٰ بظاہر کسی فریق نے نہیں کیا۔ کسان فوج نے اگلے سال سردیوں میں سرکاری افواج پر بھرپور حملے کا فیصلہ کر لیا، لیکن اس دوران جنگ بندی کی باتیں ہونے لگیں۔ ویسے بھی یہ جنگ تو ان صوفیوں پر مسلط کی گئی تھی، جو امن، عدمِ تشدد اور بقائے باہمی کے حامی تھے۔ لطیف کی یہ تمثیلی شاعری اس حوالے سے پڑھیئے :

چاهَڪَ چَرِي، تارِ تَرِي آيون متي ڪُنَ،
ڪوڙيين ڪَرَ ڪٽنديون ساهڙَ جي سَمنَ،
مينهون ساڻ آمن، پَرچِي پار لنگهنديون.

- سهڻي

(ترجمہ :چارہ کھا کر پانی میں تیر کر وہ بھنور سے نکل گئی ہیں۔ یہ اپنی لیڈرشپ یا قائد کے بدولت سرخرو ہیں۔ یہ امن کے ساتھ بالآخر مشکل کو پار کر لیں گے۔)

1718ء صوفی عنایت کی گرفتاری اور شہادت :

تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں فتح کے آثار نہ دیکھتے ہوئے نواب اعظم خان اور میاں یار محمد نے ایک سازش کے تحت صلح کا پیغام صوفی عنایت کو بھیجا۔ جنوری کے پہلے ہفتے میں سرکاری کارندے خانقاہِ جھوک پہنچے اور کلام اللہ کو ضامن بنا کر کہا کہ آپ لوگوں کو ٹھٹھہ کے نواب نے امن کا معاہدہ کرنے کے لئے بُلایا ہے، ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ اس شعر میں شاہ لطیف نے مندرجہ بالا صورتحال کو کس خوبصورتی سے کربلا کے واقعے سے جوڑا ہے۔

كُوفين كاغذ لِكيو وِجهي وِچ الله.
اسِين تابع تُنهنجا. تُون آسان جو شاهه.
هيكر هيڏي آءُ تہ تخت تابِيني تُنهنجي.
- كيڏارو

(ترجمہ: اہل کوفہ نے اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کے خط لکھا کہ ہم تیرے تابع ہیں اور آپ ہمارے لیڈر ہیں۔ ایک بار تشریف لائیے۔ ہم آپ کی حاکمیت قبول کریں گے۔)

اب ہم شاہ لطیف کی شاعری میں ہی منظر نامہ پر نظر ڈالتے ہیں۔ پڑھیے اور سر دھنیئے!

سَرَ ۾ پَكي هيكڙو. پاڙهيرِي پَنجاهه.
سَندِي آسَ الله. لُڏي لَهرِين ا وِچ ۾.
- كارايل

(ترجمہ: جھیل میں پرندہ ایک اور شکاری پچاس ہیں۔ اے اللہ! ہماری اُمیدیں لہروں پر ڈول رہی ہیں۔)

کچھ یہی خیال بابا فرید کی شاعری میں بھی موجود ہے۔

سَرور پنکھی ہیکڑو، پھاہیوال پچاس،
ایہہ تن لہریں گڈ تھیا، سچے تیری آس

اس معاہدے پر شکوک و شبہات کا اظہار ہمارے شاعر، سسئی پنوں کے تمثیلی حوالے سے یوں کرتے ہیں۔

ڏُريائِين ڏاريا. مِٽ مُئيءَ جا نہ ٿِيا.
مَدِي ڏيرن مَنَ ۾ كِلِئو كِنكاريان.
صبح تِي ساريان تہ اُٺَ نہ اوطاقن ۾.

(ترجمہ: غیر تو غیر ہیں، اپنے بھی اس بدبخت کے نہ ہوئے۔ گرچہ برادرانِ نسبتی کے دلوں میں برائی ہے، لیکن میں نے خندہ پیشانی سے اُن کا استقبال کیا۔ صبح کیا دیکھا کہ مہمان خانہ میں اونٹ تک موجود نہیں۔)

صوفی رہنما ٹھٹھہ روانہ :

صوفی عنایت اور ان کے چنیدہ رفقاء اپنی مرضی سے سرکاری وفد کے ہمراہ گئے یا جبراً ٹھٹھ لے جائے گئے، اس سلسلے میں کوئی مستند روایت موجود نہیں تو ایسے میں ہم پھر شاعری میں اشارے تلاش کریں گے۔ لطیف کہتے ہیں :

مِزمانن مَهرِي آٽي جهوڪِيا جهوڪَ ۾،
چائي چَنبن ۾ ويا، جِيئن باز سَٽي بحري،
ڪوهيارو قَهرِي، ويو نِهوڙي نِندَ ۾.

(ترجمہ : مہمانوں نے اپنے مہری اُونٹ جھوک میں لا کے جھونک دیئے اور کسی بحری باز کی طرح پنجوں میں پکڑ کر لے گئے۔ کوہیارا یعنی پہاڑی مہمان نیند میں قہر نازل کر گئے۔)

وارو! وَرُ ونِي وَيا، آرِيچا آظلامَ،
آندائون آريءَ جا پُنهونءَ ڏي پيغامَ،
پَهُ ڪيائون پاڻَ ۾ مُنها مَخفي مامَ،
سَنيوڙا ساٿُ ڪٽِي ويساهي وَريامَ،
ڪاڪيُون رات قِيامَ، جيڏيون جَتَ ڪري ويا.

– ديسي

(ترجمہ : ارے دوڑو! وہ ظالم، آری یعنی نواب کے سپاہی گھر والے کو لیے جا رہے ہیں۔ یہ رہنما (پنہوں) کے لیئے حاکم کا پیغام لائے تھے۔ یہ اپنے تئیں خفیہ مشورے اور ارادے کر رہے تھے۔ وہ وریام یعنی ایڈر کو اعتماد میں لے کر روانہ ہو گئے۔ اے بہنو! لوگو یہ جت یعنی سپاہی رات کو قیامت ڈھا گئے۔)

گرفتاری اور عدالت میں پیشی :

این میری شمل اپنی کتاب Pearls from Indus میں رقمطراز ہیں کہ :
"صوفی عنایت اور ان کے رفقاء کو صوبہ دار میاں محمد کے پاس لایا گیا، جہاں پر انہیں حراست میں لے کر مغل نواب کے حوالے کر دیا۔ جھوک سے ٹھٹھہ تک یہ سفر کیسے گذرا، یہ لطیف کی زبانی سنیئے :

آڏ تراڇا آهڙا ڏُونگر کي ڏاڪا،
ڦَٽيا پَير فقيرَ جا، چَڙهندي چَڙهاڪا.

- ديسي

(ترجمہ: راہ ناہموار اور پہاڑی راستے ہیں، ایسے میں سنگلاخ راہوں پر اُونچ نیچ چلتے فقیروں کے پیر زخمی ہو گئے۔)

کچھ ہی دنوں میں عدالت لگائی گئی اور صوفی درویشوں پر کسان مزدور بغاوت تحریک چلانے کا مقدمہ شروع ہو گیا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ جب صوفی عنایت عدالت میں آئے تو انہوں نے مغل نواب کو شرمندہ کیا کہ قرآن پاک کو ضامن بنا کر انہیں یوں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ تب بھٹائی کہتے ہیں:

اِنَ پَرِ نہ اِيمان جِيئن ڪَلمي گو ڪوٺائِيين،
دغا تنهنجي دل ۾، شِرڪ ۽ شيطان،
مُنهن ۾ مسلمان، اندر آذر آهِيين.

- آسا

(ترجمہ: صرف کلمہ گو کہلانے سے ایمان کامل نہیں ہوتا، تیرے دل میں تو دغا، شرک اور شیطان کا بسیرا ہے۔ تم ظاہر میں مسلمان مگر اندر سے آذر (بت تراش) ہو۔

تو جو بولُ بَروچَ ويهِي ڪيو وَٽڪار ۾،
سوئِي پارِج هوتَ، ولِهيءَ مون معذور سين.

- آبري

(ترجمہ: اے بلوچ یا زور آورو! تم نے جو وعدے ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر کیئے تھے وہ اب پورے کرو۔)

تحقیق کے مطابق قید و بند کا یہ سلسلہ کچھ عرصے چلا۔ اس دوران سیاسی، سماجی اور معاشی حالات ابتر ہوئے جا رہے تھے۔ عدالت کے باہر عوامی مظاہروں اور فوج کے مظالم کا سلسلہ جاری تھا۔

لڳي ڪوسو واءُ لوڪ مِڙوئِي لَهسيو،
اُبين مَنجهان آيو، هَئَ هَئَ جو هُڳاءُ،
رَسيو سُور شَبان کي، وَحُوشَن وَتاءُ،
بَرَ ڪن پڻ بُڪاءُ، اُڪنديا آريءَ لَئه گهٽو.

- آبري

(ترجمہ : کوئی ایسی گرم ہوا چل رہی ہے کہ لوگ جُھلس رہے ہیں۔ آسمان ہائے ہائے کر رہا ہے۔ وحشی، شبان (صوفی عنایت اور ان کے ساتھیوں) پر تشدد کر رہے ہیں۔ اس سردار کے لئے تو بیاباں بھی نوحہ کناں ہے۔

قید سے چھڑا لے جانے کے اشارے :

مستند حوالوں کی غیر موجودگی میں، ہم بھی ایک کہانی بُنتے ہیں۔ گرفتار صوفیاء کرام کو سخت پہرے میں رکھا گیا ہے، کیونکہ اطلاعات ہیں کہ باقی کسان فوج کے گوریلے اچانک حملہ کر کے صوفی عنایت کو چھڑا لے جانا چاہتے ہیں۔ ایک پیغامبر بھی قید خانے تک رسائی حاصل کر چکا ہے اور یہ تمثیل سر مومل رانو میں شاہ لطیف یوں بیان کرتے ہیں :

راٽي ريبارو تو ڏانهن مُڪو تَڪڙو،
لُڏوٽِيا لطيف چي، ماڙِ‌ج موچارو،
صبح سَوارو، ڪاڪِ گِهڙندو ڪَرهو.

– مومل

(ترجمہ : ہمدردوں نے آپ کے پاس پیغامبر بھیجا ہے، اس سے ملیئے کیونکہ اونٹ صبح دم قید خانے کے احاطے میں داخل ہو جائیں گے۔)

ایک اور شعر ملاحظہ کریں، جس کے ایک سندھی لفظ موکھنے کی معنیٰ آڈوانی اور شہوانی نے چھڑا لے جانا یا آزاد کرانا بتائی ہے۔ یہ تمثیل سُر مارئی سے ہے :

جي هِت هُئِي مارئِي ته لَڌيم ڪَر ڪيٽاس،
اَرداسيم عمر کي، ويجهو تِي وَٽانس،
جي نه ڇڏيائين، جهليائين ته پنهنجو انگ آڇيانس
لاهي لوهَه لطيف چي هِتان هُوند هَلانس،
مَوڪي مَليرَ سامُهين، وَٽي ٻانهن وَجانس،
رهبر تِي ريڙهيانس، سُونهاري ساٿيهه ڏي.

– مارئي

(ترجمہ :اگر وہ یہاں کہیں ہوتے تو ان کا حال معلوم کرتا، بادشاہ کے پاس جا کر منت وسماجت کرتا، اگر اُن کو نہ رہا کرے تو بدلے میں خود کو پیش کرتا یا پھر اُس کی زنجیروں کو توڑ کر، آزاد کرا کے، چھڑا کے واپس وطن لے جاتا۔)

فیصلہ کے دن ٹھٹھہ میں کرفیو :

حالات کی نزاکت بھانپتے ہی حکمرانوں نے صوفی عنایت اور ان کے ساتھیوں کو جلد ختم کرنے کی ٹھان لی۔ فیصلہ کے دن ٹھٹھہ میں کرفیو کا سماں تھا اور کسی کو بھی عدالت کے اردگرد آنے کی اجازت نہ تھی۔

سُوريءَ سَڏ تِيو ڪا هلندِي جيڏيون؟
وَڃڻ تن پَيو، نالو نِينهن ڳِنهن جي.

- ڪلياڻ

(ترجمہ: سُولی یا پھانسی بُلا رہی ہے، کوئی ہمعصر ہے ساتھ دینے والا؟ جنہوں نے عشق کا نام لیا انہیں تو جانا ہی ہے۔)

صوفی عنایت کی عدالت میں گفتگو :

محقق لکھتے ہیں کہ عدالت میں صوفی عنایت نے ہر سوال کے جواب میں فارسی شاعر حافظ شیرازی کے اشعار پڑھے جو کہ مقالاتِ الشعراء میں موجود ہیں۔ اور کسی تاریخ میں مزید کوئی تفصیل موجود نہیں۔ منظرنامہ یوں ہے کہ صوفی لوگ عدالتی کٹہرے میں ہیں اور کمرہ مخالف تماش بینوں سے بھرا پڑا ہے۔ مسندِ انصاف پر نواب اعظم براجمان ہیں۔ (فارسی سے ترجمہ کے لئے میں جناب اسحاق ابڑو کا شکرگذار ہوں، جنہوں نے صوفی عنایت کے ایک معتمدِ خاص میر جان اللہ رضوی کی شاعری پر پی ایچ ڈی کی۔)

ناظمِ عدالت : بتائیں آپ نے شورش کیوں بپا کی؟

صوفی عنایت : جس دن سے آسمان و مشتری کو پروین اور دیگر ستاروں سے سجایا گیا، تب سے قضا کے دیوان میں ہمارے نصیب میں یہی لکھا تھا۔ ہمارا کیا قصور؟

درباری افسر شیخ رضا : اے دوست! ہوش میں آؤ، یہ عالمِ خواب نہیں۔ بیہودہ باتیں نہ کریں۔ (اس جملے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صوفی عنایت نے کھری کھری سنائی ہوگی!)

صوفی عنایت : ہمیں سیدھی راہ یعنی صراطِ المستقیم پر چلنے ہی نہ دیا گیا۔ نیکی کی گلی سے

گذرنے کی اجازت نہ تھی۔ تجھے اگر یہ بات پسند نہیں تو پھر تقدیر کو بدل دے!
نواب اعظم : اب اپنے کیئے کی سزا بُھگتنے کو تیار رہو۔
صوفی عنایت : حق کے عاشقوں کے لیے سزا کی حیثیت اُس آگ سی ہے، جو سونے کو کندن بناتی ہے۔
نواب اعظم خان : اب تو تمہیں قتل کردیا جائے گا، پھر اس طوالت میں جانے کا کیا فائدہ ؟
صوفی عنایت : جس دل میں عشق کی رمق باقی ہو، وہ شخص کبھی نہیں مرتا۔ دنیا کی اس کتاب پر ہم ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
نواب اعظم : آپ نے بادشاہِ وقت کی نافرمانی کیوں کی، جب کہ حکم ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کی جائے۔
صوفی عنایت : ہم مرید جب کعبے کو رُخ کرتے ہیں تو ہمارا مرشد ساقی خانے کی جانب دیکھتا ہے!
نواب اعظم : اب اپنی امید و آرزو کا خون ہوتا دیکھ کر، کیا افسوس کرنا ؟
صوفی عنایت : جب سے ہم نے چشمۂ عشق سے وضو کیا ہے، تب سے ہر بات پر چار تکبیریں پڑھ چکے۔

جب گردن پر تلوار چلی :

15 صفر 1130ھ مطابق 7 جنوری 1718 میں، گرفتار صوفی رہنماؤں کو قتل کردیا گیا۔ جب صوفی عنایت کی گردن پر تلوار چلی، تو انہوں نے پھر فارسی شعر پڑھا : "آپ نے مجھے جسم کے قید سے آزاد کردیا، اللہ آپ کو دونوں جہانوں میں اِس کا اجر دے۔" (حوالہ : مقالاتِ الشعراء) صوفی عنایت کے ساتھ ان کے کئی ساتھی اور فقراء بھی شہید کیئے گئے۔ ان سب کی تدفین جھوک میراں پور میں کی گئی اور اس وقت ٹھٹھہ، جھوک اور آس پاس کے علاقوں میں کرفیو نافذ تھا۔ تدفین کے وقت لوگ ماتم کر رہے تھے اور کئی قصبوں میں فساد پھوٹ پڑے۔ کچھ مقامات پر فوج اور مظاہرین کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور سرکاری ٹھکانوں پر گھات لگائی گئی۔ اب کچھ شاعری لطیف کی پڑھتے ہیں اور ماضی سے حال کی جانب لوٹتے ہیں، جہاں کچھ بھی نہیں بدلا۔ یہ سب ہر دور میں ہوتا آرہا ہے۔

جهڃان پَسِي جهوڪَ آيل! سَنگهارن جِي،
جن تي پِي پِياريا مَنجهان مَٽن موڪَ.
لَڏي وِڃان لوڪَ، اُني ويا سي اُڪرِي.

- ڏهر

(ترجمہ: میں ان دوستوں کے ویران آستانے دیکھ کر کُڑھ رہا ہوں، جو اپنے گھڑوں سے صاف ٹھنڈا پانی پلاتے تھے۔ وہ ساتھی اب دنیا سے سدھار کر کہیں دور چلے گئے۔)

جهوڪُون نہ جُهٽڪَنِ، وَڳَ نہ پَسان وَٽِ ۾،
آيل! سَنگهارن، جيڪس چِتاٽو چِت ڪيو.

- ڏهر

(ترجمہ: اُن کی بیٹھک یا اوطاقیں خاموش ہیں، رستہ سنسان ہے اور چہل پہل بھی نہیں۔ لگتا ہے کہ روشنی ان کے دل کو منور کر گئی۔)

میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ چشمِ بینا سے تاریخی واقعات دیکھ رہے ہیں۔ اب دیکھئے اِس ظالمانہ قتل پر ہونے والے عوامی احتجاج کے سلسلے میں شاہ لطیف حکمرانوں کو کیا پیغام دیتے ہیں۔

سيَت پَچارَ پِرينءَ جِي، سَيتِ هوت حُضور،
مُلڪ مِڙيو منصور، ڪُهِي ڪُهندين ڪيترا.

- سهڻي

(ترجمہ: سب اپنے خالق، مالک اور بچھڑے ساتھیوں کو یاد کر رہے ہیں۔ اب تو سارا ملک منصور (حلاج) بن گیا ہے، تم کس کس کی گردن مارو گے۔)

اسمِ اعظم پر پابندی:

دورانِ جنگ جب کسان گوریلے سرکاری فوج پر حملہ آور ہوتے تو لاالٰہ الااللہ اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے تھے۔ یہ سلسلہ صوفی عنایت کی شہادت کے بعد بھی جاری رہا۔ آخر کار نواب اعظم خان نے تنگ آکر یہ منادی کرائی کہ جو بھی شخص سرِ عام اسمِ اعظم یا، اللہ اکبر کا نعرہ لگائے گا، اس کی گردن زنی کی جائے گی۔ لیکن شاہ لطیف کے خیالات اس کے برعکس تھے۔ وہ تو عوام کو اس حکم کی خلاف ورزی کی دعوت دے رہے تھے!

جُسي ۾ جَبارَ جو خَفِي خِيمون کوڙ،
جَلِي تون زبان سين چارئي پَهرَ چورِ،
فکرَ سين فُرقانَ ۾ اسمِ اعظم ڏور،
ٻيا درَ وَڃِي مَ ووڙ، اِي اَمُل اِتائين سَپجي.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ :اپنے وجود میں ذاتِ باری تعالیٰ کی جباری صفت یعنی زبردست طاقت کا مخفی خیمہ گاڑدے، مگر زبان سے چاروں پہر ذکر جلی یعنی لاالہ الاالله ادا کر۔ پھر غور و فکر کر کے قرآن پاک میں اسمِ اعظم کو تلاش کر۔ کسی اور دروازے کو کیا کھٹکھٹانا، یہ دُرِ نایاب تو تجھے یہیں سے حاصل ہوگا۔)

صوفی عنایت کی شہادت اور مغل کلہوڑا حاکمین کی کارروائی کے بعد کسان تحریک کا شیرازہ بکھر گیا۔ کئی نامی گرامی ہستیاں نقل مکانی کر گئیں لیکن ان کا مقصد جان بچانا نہیں، بلکہ اس تحریک کو جاری رکھنا اور خود کو دوبارہ منظم کرنا تھا۔ روحل فقیر نے اپنے سرائیکی کلام اور میر جان اللہ رضوی نے فارسی شاعری میں یہ سانحہ بیان کیا ہے۔ رضوی صاحب بعد میں روہڑی جا بسے، جبکہ کسان تحریک سے وابستہ کئی لوگ بلوچستان اور سندھ کے پہاڑی و ریگستانی علاقوں کی جانب نقل مکانی کر گئے۔ اب اگر تاریخ دان نہیں لکھتے تو بھٹائی کی شاعری میں یہ شواہد تو موجود ہیں۔

پَسئو آسڻَ اُن جا، بانهن وِڃهان وات،
هُو جي ڪَهيا ڏانهن قَلات، آئون نه جِيئندِي اُن ري

- رامڪلي

(ترجمہ :اُن کے ٹھکانے ویران دیکھ کر میں خود کو کاٹنے لگتا ہوں۔ وہ جو قلات چلے گئے بھلا ان کے بغیر میں کیسے زندہ رہوں گا۔)

ان حالات میں کون خاموش بیٹھ سکتا ہے؟ یہ کسی بھی ذی شعور کے لئے ممکن نہیں تھا۔ لطیف کہتے ہیں :

وِهان ڪِيئنَ ماٽِ ڪري هيڏو سُور سَهِي،
هيڏي شَهر ڀَنبورَ ۾ سارِيان ڪونه سَهِي.

- وائي ديسي

(ترجمہ :اس قدر مظالم برداشت کر کے میں کیسے خاموش رہ سکتا ہوں۔اتنے بڑے شہر آشوب بھمبھور میں اب ایک بھی پرسانِ حال نہیں۔)

شاہ لطیف کی شاعری میں حب، وندر، لس بیلہ اور خضدار کے پہاڑی سلسلہ جات لوہنگلاج و لاہوت کا ذکر بھی ہے۔ مجھے انور بلوچ صاحب حال ہی میں نورانی لے گئے جہاں ہمیں بتایا گیا کہ درگاہ نورانی کے علاقے میں بھٹائی کا ٹھکانہ بھی موجود ہے۔ پس یہ ثابت ہوتا ہے کہ صوفی عنایت کی شہادت کے عرصے میں پہاڑوں پر جانے والوں میں بھٹائی بھی شامل تھے۔ انہی پہاڑی علاقوں میں کہا جاتا ہے کہ سسئی پنہوں کی مزار بھی ہیں او بھٹائی سسئی کے حوالے سے کہتے ہیں :

چَپَر چَمرُ پائيان، ڪانيوُ ۽ ڪارو
پَبُ وجِهنديس پُٺِ تي صبح سَوارو
وَڄڻ مون وارو، ڪِينَ وهِنديس وِچ ۾.

—ديسي

ترجمہ کانبھو اور کارو نامی پہاڑوں کو تو میں بادلوں کا سایہ سمجھتی ہوں۔ پب پہاڑ کو میں صبح دم پیچھے چھوڑ دوں گی کیونکہ مجھے جانا ہے اس لئے ان پہاڑی دروں میں بیٹھوں گی نہیں۔

عوام کا احتجاج تو جاری تھا ہی، لیکن بچے کھچے اہلِ دانش بھی خاموش نہ تھے۔ ظلم و بربریت کی صورتحال میں ایک دیدہ ور مخدوم رحمت اللہ بھی تھے۔انہوں نے نواب اعظم کو سمجھایا کہ اِن حالات کے نتائج کیا ہونگے۔ یہ نصیحت سن کر نواب چراغ پا ہو گیا اور مخدوم رحمت شہر ہی چھوڑ گئے۔ تب بھٹائی نے کہا :

وينئي جنين وَٽ، ڏُکندو ڏاڍو تِئي،
سا مجلس ئِي مَٽِ جي حاصل هوءِ هزار جو.

— ڪلياڻ

(ترجمہ : جن لوگوں کی صحبت درد کو بڑھا دیتی ہو،اُس محفل کو چھوڑنا ہی اچھا ہے۔چاہے وہاں سے ہزار کے برابر حاصلات ہوتی ہوں۔)

مخدوم رحمت اللہ کی گرفتاری :

گو کہ مخدوم رحمت اللہ اثر رسوخ والے تھے، لیکن نواب اعظم کو علم تھا کہ یہ بھی صوفی عنایت کے خیالات کے حامی ہیں، اس لئے، تاریخ کلہوڑا میں لکھا ہے کہ نواب نے ان کو گرفتار کر لیا اور جیل میں بند کر دیا۔ مخدوم رحمت کی گرفتاری کے بعد لوگ بھڑک اٹھے۔ انہیں خدشہ تھا کہ نواب، اُن کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دے گا۔

او قابِيل اکين ۾ توکي تِکا تيرَ،
ساجنَ انهيءَ سِينگَ سين ڦَٽيئہ گھڻا فقيرَ،
بيو مَ مارج مِيرَ، تنهنجو پهريون ئي پُورو ٿيو.

- يمن

(ترجمہ :او قابیل یا عقابی صفت، تیری نظروں میں تیز تیر ہیں۔ دوست تم نے اس نوکدار سینگ سے کئی فقیر زخمی کر دیئے۔ اب کسی اور کو تو نہ مار، تیرے ستم پہلے ہی کافی ہیں)

تحفۃ الکرام سے ماخوذ ہے کہ صوفیوں کی بغاوت کچلنے کے صلہ میں مغلوں نے میاں یار محمد صوبہ دار کو شاواتی اور چاچکان کے دس گاؤں تحفے میں دیئے۔ بھیرومل آڈوانی سندھی تاریخ پر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں : ”میاں یار محمد نے دہلی دربار کو بھیجی گئی ایک خفیہ رپورٹ میں لکھا تھا کہ صوفی عنایت کے حامی اتنی زیادہ تعداد میں ہیں کہ وہ کسی بھی وقت پورا سندھ فتح کر سکتے ہیں۔ شاہ لطیف فرماتے ہیں :

سَنها يانءِ مَ سَپَ سُکا جِنين پيٽَ،
تِنين جي جَهپيٽ، جُنگن کي جوکو ٿِئي.

- کارايل

(ترجمہ :اِن سنپولوں کو کمزور نہ سمجھ، ان کے پیٹ تو سوکھے ہیں، لیکن ان کی جھڑپ، بڑے بہادروں کو نقصان پہنچاتی ہے۔)

صوفی عنایت کی شہادت کے وقت ہمارے شاعر 28,29 سال کی عمر کے ہیں۔ کئی سؤ ساتھی مارے گئے۔ جن چند لوگوں کی کوشش تھی کہ سندھ کی یہ قومی انقلابی تحریک زندہ رہے، ان میں شاہ عبداللطیف بھی متحرک تھے اور اب آگے انہیں مشکل ترین حالات میں یہ سلسلہ بذریعہ شاعری جاری رکھنا ہے۔ کہتے ہیں :

سِيئي جوين ڏينهن جَڏهِن سَڄڻ سفر هَليا،
رُئان رَهن نه سُپرين آيل! ڪريان ڪِيئن،
مونکي چاڙهي چِيئنَ ويو وڻجارو اوهَرِي.

- سامونديِ

(ترجمہ: وہی جوانی کے دن تھے، جب دوست سفر پر روانہ ہوگئے۔ اب تو وہ میرے رونے سے بھی نہیں رکتے۔ وہ بنجارے مجھے نیزے پر چڑھا کے چل دیئے۔)

اس صوفیانہ تحریک کے ایک ساتھی تھرپارکر مدفون ہوئے، ان کا مزار کھاروڑی نزد امرکوٹ میں ہے۔ معمور یوسفانی سے حوالہ ہے کہ یہ نمانو فقیر کسان تحریک میں شہید ہوئے تھے۔ کچھ ساتھی ان کی تدفین کے بعد ویڑھی جھپ گاؤں کی طرف گئے اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ شاہ لطیف اس نقل مکانی کے حوالے سے کہتے ہیں:

ڪاروڙيا ڪٽي ويڙهِي جَهپ ويا،
سيڻَ منهنجا سيد چَئي هاٽي هتِ هُئا،
پَسِي پَڌَ اُنهن جا، لڙِي لُڙڪ پيا،
ڏيهِي ڏُور ويا، ڏِيان ڏوراپو ڪِن کي.

- مارئي

(ترجمہ: کھاروڑی گاؤں سے ویڑھی جھپ چلے گئے، سید کہے کہ میرے عزیز ابھی تو یہاں تھے۔ ان کے ٹھکانے دیکھ کر آنسو بہنے لگے۔ وہ دور چلے گئے، میں کس سے فریاد کروں۔

1719ء فرخ سیر قتل، میاں یار محمد کا انتقال:

صوفی عنایت اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد نیا سال مزید تباہی و بربادی کی نوید سنا رہا تھا۔ ہندستان کے مغل حکمران فرخ سیر قتل ہوگئے، اسی دوران رفیع الدولہ اور رفیع الدرجات کو بھی زہر دے کر مارا گیا۔ سندھ میں صوبہ دار میاں یار محمد کلہوڑو انتقال کر گئے اور دہلی کا تخت محمد شاہ رنگیلے کو مل گیا۔ ذرا شعر ملاحظہ کیجئے:

آهي موت مِڙن تي، گوڙيُون ڪَيو گَجي،
ڪَڻ تُون قُوت قبر جو، گهٽو تو گُهرجي.

- وائي سريراڳ

(ترجمہ : موت تو سب کے سر پر کھڑی چنگھاڑ رہی ہے۔ کچھ تو قبر کا بھی اسباب کرو، آگے بہت کچھ چاہیئے۔)

سندھ میں میاں نور محمد کلہوڑہ نئے صوبہ دار بنے اور مغلوں کی اقتدار پر کمزور گرفت دیکھ کر وہ اپنی حاکمیت بڑھانے لگا۔ اس نے شاہ بہارو کو چانڈ کا علاقے کا ناظم مقرر کر دیا۔

شاہ لطیف کی حکمتِ عملی :

ان حالات میں ایک شاعر، مفکر یا دانشور کا کردار کیا ہونا چاہیئے؟ اس کا جواب شاہ عبداللطیف نے شاعری میں تلاش کیا۔ سندھ کا مزاج ویسے بھی صوفیانہ ہے، اس لئے بھی لوگ فرصت یا بیچینی کا علاج صوفیانہ کلام یا موسیقی سے کرتے ہیں۔ اب لطیف عوامی رابطے کی مہم چلا رہے ہیں اور لوگوں کو قدیم داستانوں اور کرداروں کے حوالے سے موجودہ حالات بھی سمجھا رہے ہیں : .

مُون تان لِڪائي گهڻو رُوئَڻ ڪئِي روشَن،
ڏَسيو ريزالن کي منجهان زرديءَ ظَـن،
ويرِي مون وَرنِ، ڳالهه ڪيائين ڳُجهه جِي.

- آسا

(ترجمہ : میں نے بہت چُھپایا لیکن آنسوؤں نے سچ ظاہر کر دیا۔ وہ بدبخت میری زرد رنگت دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئے۔ میرے لئے تو رنگت بھی دشمن ہے کہ اندر کی بات کہہ دی۔)

اب شاہ لطیف کی شاعری میں ان لوگوں کا درد محسوس کیجئے جو دور دراز علاقوں تک نکل گئے ہیں، لیکن اپنے ساتھیوں سے مل نہیں پا رہے۔ ان میں خود شاعر بھی شامل ہے۔ کہتے ہیں :

مَـتي وَاتڙين نيڻَ نِـهارا مُـون ڪيا،
وِيندا مَـن پَـسنِ، متان سَـڄڻ پَـٽِئين.

- ڏهر

(ترجمہ : میں راہ گذر پر ان کی راہ تکتا رہا کہ شاید وہ سپاٹ راستوں پر مجھے دیکھ پائیں۔)

اب میرا دعویٰ کہ شاہ لطیف تحریک کی قیادت کر رہے تھے، کے سلسلے میں یہ واقعہ پڑھیئے جو لطف اللطیف میں مولانا دین محمد وفائی نے رقم کیا ہے : ”ایک دفعہ شاہ لطیف اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اُس جنگل سے گذرے، جہاں سید محمد بقا لکیاری بھی اپنے ریوڑ کے ساتھ موجود تھے۔ انہوں نے نوجوانوں کی ٹولی کو دیکھ کر ہنستے ہوئے لطیف سے کہا : بھئی کیوں اتنی مخلوقِ خدا کو پریشان کر رہے ہو۔ شاہ صاحب نے کہا کہ آپ کے خانوادے میں تو ایسے مرد پیدا ہوں گے جو مجھ سے زیادہ لوگوں کو اس سلسلے میں متوجہ کریں گے۔ شاعر کہتا ہے :

سَدا آهي سُورَ جِي وادِوڙِئَن وائِي،
جيڪا آتن مَنَ ۾ سَلِن نہ سائِي،
اوڙڪَ اِهائي، ڳوليو لَهن ڳالهڙي.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ : اِن زخم خوردہ لوگوں کے لبوں پر اب صرف درد کی باتیں ہیں۔ ان کے من میں جو کچھ ہے وہ یہ بتاتے نہیں، لیکن پھر بھی بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔)

شاہ لطیف ایک ایسی دنیا کی تشکیل چاہتے تھے، جہاں امن و آشتی، مذہبی رواداری اور سماجی برابری ہو۔ یہ کس طرح ہو گا، وہ صوفی کی زبانی سنیئے۔

صُوفِي لا ڪُوفِي ڪونہ پيائيس ڪير،
مَنجهان ئِي مَنجهہ رِڙهي پَڌر ناهيس پير،
جنين ساڻس وَير، تي تِنهين جو واهَرُو.

- يمن ڪلياڻ

(ترجمہ : صوفی تو لاکوفی یا غیر جانبدار ہے۔ اُسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہ اندر ہی اندر گھسٹتا ہے اور ظاہری طرح آنگن میں پاؤں بھی نہیں رکھتا۔ یہ تو ان کی مدد بھی کرتا ہے، جو اس سے عداوت رکھتے ہیں۔)

1720-22ء-لوٹ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو :

اس کتاب کو ٹائیم مشین تصور کیجئے اور چلیئے ماضی کی طرف مندرجہ بالا عرصے

میں قلات کے حاکم میر عبداللہ نے میاں نور محمد کلہوڑو کی بڑھتی قوت دیکھ کر اپنی صفیں مضبوط کیں اور سبی، گنجابا اور کاچھو کے علاقے میں پیش قدمی شروع کی، بلکہ حملے بھی کیئے۔ لوگوں میں بھگدڑ مچی اور عوامی پریشانی کو بھٹائی نے یوں بیان کیا۔

کاڇي ٻيٺي ڪُوڪَ سَچ ڪ سَنگھارن لَڏيو.
مادَر سي مَلُوڪَ اُنئي ويا اُڪرِي.

- ڏھر

(ترجمہ: کاچھو درد سے کراہ رہا ہے اور سچ ہے کہ لوگ وہاں سے نقل مکانی کر گئے۔ اے ماں! وہ بھلے لوگ برسات میں ہی دور نکل گئے۔)

اس افتاد سے بچنے کے لئے میاں نور محمد نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے تصادم سے گریز کیا اور حملوں سے بچنے کی خاطر چالیس ہزار کی رقم اور ہاتھی بطور نذرانہ درہ بُولان بھجوائے۔ تاریخ کلہوڑا میں مولانا مہر مزید لکھتے ہیں کہ یہ نذرانے ایک مقام بیبی نانی کی منزل پر پہنچائے گئے۔ لیجئے شاہ لطیف اپنی تمثیل میں یہ قصہ یوں بیان کرتے ہیں!

نانگا نانيءَ ھَليا، چيلھيا چيلھه ٻَڌن،
ھُو جي ھُت ھَلن آئون نه جِيئندِي ان ري.

- رامڪلي

(ترجمہ: ان لوگوں نے کمر پہ رقم کی پیٹی کس لی اور نانی علاقے کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہ جو وہاں گھوم رہے ہیں، میں ان کے بنا جی نہ سکوں گا۔)

1722ء میں ایران کے حکمران سلطان صفوی قتل کر دیئے گئے اور محمود حوتکی بر سر اقتدار آ گئے۔ کچھ نہیں بدلا، حالات وہی تھے جو اب ہیں۔ پورا خطہ ایک گرداب میں پھنس چکا تھا۔ ہر طرف لوٹ کھسوٹ مچی تھی۔ چھوٹی بڑی لڑائیاں لڑنے کے لئے حکمران عوام پر محصول بڑھا رہے تھے اور اقتدار کی مضبوطی کے لئے یہ ضروری تھا۔ شاہ لطیف کہتے ہیں کہ اگر محصول دینے والے نہ رہیں تو کیا ہو گا؟

سَچ ڪِ سُڪو ڍور، ڪَنڌيءَ آڪ ڦُلاريا،
جُنگن ڇڏيو زور، سَر سُڪو سُونڪِي گيا.

- ڏھر

(ترجمہ : یہ سچ ہے کہ نالہ سوکھ گیا ہے اور کنارے پر آک کے درخت پر پھول آرہے ہیں،
لیکن بہادروں میں طاقت نہیں رہی۔ جوہڑ سوکھ گیا اور محصول لینے والے چلے گئے۔)

رواں سال میں war Lords آپس میں جھگڑنے لگے اور سندھ میں یہ تصادم کلہوڑوں اور داؤد پوتوں کے درمیان ہوا۔ چھوٹے موٹے حملے ہوتے رہے۔ ایک دن نور محمد کلہوڑو نے داؤد پوتوں کے خاص آدمی دلاور ہالانی کو مُلا جنید ابڑو کی جانب سے دی گئی ضیافت میں بلا کے قتل کروادیا۔ اب ضروری بھی نہیں کہ اس شاعری کا تعلق اس واقعے سے ہو، لیکن تمثیل تو موجود ہے۔

پنھنجي طرف پاڻَ ئِـي سائِـلَ سَـڏيائِـين،
جِـتي جَـوانن کي کوني کُـنائين!

- وائي پرياتي

(ترجمہ : سائل کو خود ہی اپنی طرف بلایا اور وہیں جوانوں کو بلا کر قتل کر دیا۔)

1723-25ء کلہوڑا، داؤد پوتہ جنگ :

اس تمام عرصے میں سندھ میدانِ کارزار بنا رہا۔ ہزاروں لوگ ان جنگوں میں مارے جارہے تھے۔ میاں نور محمد نے 60 ہزار فوج کے ساتھ داؤد پوتوں کے شہر شکارپور کو گھیرے میں لے لیا۔ گھمسان کی جنگ، طویل عرصے تک جاری رہی۔ ایسے میں مرنے والوں کی لاشیں چیلوں اور گدھوں کو بھوک سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ شعر پڑھیے :

ڳجهن ويني ڳاڙيا، ڏنجها ڏُکَ گهٽا،
تَـنگي لَـٿِـيَـن تِـوڻ جِـي، سُـورهَ ساماٽا
کندا راماٽا، کَـونر کِـلي جا کوڏيا.

- کيڏارو

(ترجمہ : Vultures یعنی گدھ بھوک اور مصیبتوں کے دنوں کو رورہے تھے کہ ان کی خوراک کی فکر ختم ہوگئی، کیونکہ مرنے والے یا جنگجو بہت پیدا ہوگئے ہیں۔)

1726-30ء بدتر سیاسی حالات - کراچی کی اہمیت

1726ء میں مبارک خان داؤد پوتہ انتقال کر گئے تو میاں نور محمد نے دوبارہ

شکارپور پر حملہ کر کے قبضہ جمالیا۔ جانشین صادق محمد داؤدپوتہ مسند چھوڑ کر دریائے سندھ کے ایک جزیرے پر جاچھپے۔ وہاں پر بھی لڑائی ہوئی۔ شاہ لطیف تو ایسے بھی کمزور پر وار کرنے کے مخالف تھے۔ وہ کہتے ہیں۔

مَار مَ مُطيعلَ کي، مَجوسيءَ کي مار،
وڏي جنگ مَ وِسار، نَنڍيان نفعو ناهہ کو.

- بلاول

(ترجمہ : مطیع یا کمزور کو کیا مارنا، مجوس کو مارو، تم بڑی جنگ بھول گئے اور ان چھوٹی لڑائیوں میں کوئی منافع نہیں۔)

تاریخی حقائق سے ماخوذ ہے کہ اُچ شریف کے سجادہ نشین کی دعوت ملتے ہی داؤدپوتہ لوگ 28-1727ء میں ملتان چلے گئے۔ آیئے ان حالات کو سسئی کے تمثیلی حوالے سے شاعری میں محسوس کرتے ہیں۔

ڏُونگرَ تون ڏاڍو، ڏاڍا ڏاڍايُون ڪرين،
اِي ڪَرمَ جو ڪاڍو نہ تہ پَٽر ڪير پَنڌَ ڪري.

- ڪوهياري

(ترجمہ :اے طاقتور پہاڑ، جابر تو جبر کر رہا ہے۔ یہ تو ہماری قسمت میں لکھا تھا وگرنہ سنگلاخ راہوں پر چلنا کسے پسند ہے۔)

کراچی کی اسٹریٹجک اہمیت :

سیٹھ ناؤں مل اپنی خودنوشت میں لکھتے ہیں کہ کلاچی ایک چھوٹا سا ساحلی گاؤں تھا، جو کہ 1729ء میں قصبہ کی صورت اختیار کر گیا۔ اس کی آبادی ماہی گیروں پر مشتمل تھی اور یہ بستی ایک درویش خاتون مائی کلاچی کے نام سے موسوم ہوئی۔ دیکھئے اس نام کو بھٹائی کس طرح گرفت میں لاتے ہیں۔

ڪالَ ڪَلاچِي ويا، ڇَتيُون ڪنِي ڇُڳير،
اهڙِي خاصِي ڪَير، ڪُنَ وَرائي جَهلِئي.

- گھاتو

(ترجمہ :وہ طُرے دار پگڑی والے لمبے بھالے لے کر کلاچی گئے۔اس بھلی جماعت کو گرداب یا مصیبت نے گھیر لیا۔)

کِراچی اور پِراچی نام کی دو دیویاں بھی ہندو مذہب میں موجود ہیں۔اب ہم ایک اور تاریخی ریفرنس دیکھتے ہیں کہ، "18-17صدی میں یورپ صنعتی انقلاب کی بنیاد مضبوط کر رہا تھا اور روس ایشیا میں گرم پانی کا متلاشی تھا۔" یہ گرم پانی سندھ کا سمندر تھا، جو کراچی کی اہمیت بڑھا رہا تھا۔ذرا سمندر کا نظارہ کیجئے :

هَـڙَ ۾ کِـي نـہ هُـئون، هُـنئِـين هُـنَ نـہ چاڙهيا،
سارو ڏِينهن سَمُـوندِ تي لهِـي سِـج وَيونِ،
جڏهن سائينءَ سبب کيونِ تڏهن سُـتڙ تيا سيد چئي.

- ساموندي

(ترجمہ :ان کی جیب خالی تھی اور مفت کشتی میں ناخدا نے نہیں بٹھایا۔انہیں سمندر پہ دن ڈھل گیا اور سورج ڈوبنے لگا۔تب اسباب پیدا ہوئے اور وہ کنارے جا لگے!)

1730ء میں صوبہ دار میاں نور محمد نے بروہی قبیلے پر حملہ کر کے کا کڑ بروہی کو مار دیا اور عبداللہ بروہی صلح پر مجبور کئے گئے۔ تاریخِ بلوچستان میں گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ، "کلہوڑا فوج کے ساتھ افغان پاوندے بھی تھے جنہوں نے کوئٹہ کی ناکہ بندی کر دی۔" آیئے کسی پہاڑی اور سنگلاخ علاقے کی تصویری جھلک سسئی کی داستان میں دیکھتے ہیں' جس کے پس منظر میں بروہی چھاپہ مار بھی ہیں۔

ڏُکيءَ سَنديُـون ڏُونگرين پَـسو پِـٽون پُـون،
مُـئي پچاڻان مُـنڌ کي روجهہ رُجن ۾ روئن،
پُـٽان اِئين چون تہ مُـئيءَ اسان کي ماريو.

(ترجمہ : دیکھئے ستائے گئے لوگوں کے کوسنے کس طرح چٹانوں پر برس رہے ہیں۔ان کے مرنے پر بیابان میں سفید پیروں والے ہرن ibex نہ صرف روتے ہیں، بلکہ کہتے ہیں کہ اس بدبخت نے ہمیں بھی مار ڈالا۔

1731ء شاہ لطیف پر قاتلانہ حملے، بھٹ کا آباد ہونا:

یہاں ہمارے شاعر لگ بھگ چالیس سال عمر کو پہنچتے ہیں اور مؤرخ لکھتے ہیں کہ وہی استحصالی اور غاصب عناصر جو صوفی عنایت کے مخالف تھے اب شاہ لطیف کے دشمن بن گئے اور ان کے ارادے یہ تھے کہ لطیف کو بھی ختم کیا جائے۔ یہ حوالہ ثبوت فراہم کرتا ہے کہ شاہ لطیف مسلسل رابطوں اور اپنی شاعری سے محبت و امن کا مشن جاری رکھے ہوئے تھے۔

خدمت ڪر خُلقَ سين پاند ڳِچيءَ ۾ پائي،
آديون عبداللطيف چي اِتاهِين ڪِي آهِي.

- وائي آسا

(ترجمہ: گردن جھکا کے اخلاق سے لوگوں کی خدمت کر، کیونکہ لطیف کہے کہ اسی راہ چلنے سے کچھ حاصل ہوگا۔)

ایک نظر اختلافات پر:

درباری علماء کا شاہ لطیف اور دیگر اہلِ تصوف سے اختلاف یہ تھا کہ وہ حاکم کی اطاعت چاہتے تھے اور صوفی حضرات عوام کی حاکمیت! وہ صرف حقوق اللہ کی بات کرتے تھے اور یہ صوفی حقوق العباد کی بھی۔ وہ موسیقی کو شرعی طرح ناجائز ٹھہراتے تھے اور یہ لوگ شاعری کو موسیقی کے شعلوں سے گرما دیتے تھے۔ جاگیرداروں، پیرومرشدوں کا اختلاف یہ تھا کہ وہ عوام کو جانور سمجھ کر اپنا تابع کرنا چاہتے تھے اور یہ صوفی، لوگوں کی خوشحالی و باعزت زندگی کی تمنا رکھتے تھے۔

هُو جي سُورَ سُڄن سي مون ٻِينگهي ۾ ٻِرائيا،
سانڍِياس سُکن، سُورن ڪارڻ سَرتيون.

- حسيني

(ترجمہ: یہ جو مسائل درپیش ہیں، وہ تو مجھے پالنے میں ہی مل چکے تھے۔ مجھے تو آسائشوں نے، درد سہنے کے لئے ہی پالا پوسا ہے۔)

دیکھئے! یہی کیفیت غالب کے شعر میں بھی موجود ہے۔

رنج سے خوگر ہوا انساں، تو مِٹ جاتا ہے رنج،
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر، کہ آساں ہوگئیں۔

حکمران طبقہ اب شاہ لطیف کی اس صوفیانہ تحریک کا اس لئے مخالف تھا کہ یہ لوگوں کو ان کے مظالم اور خانہ جنگی سے ہونے والی تباہی سے آگاہ کررہے تھے۔

وڳَرَ ويا وَهِي ڪالهه تُنهنجا ڪُونجڙِي،
ڪَنڌِينءَ ڪوه رهِي سَرَ ۾ سُپرين ري.

(ترجمہ: مرغابیو، تمہاری ڈار تو کب کی رخصت ہو چکی، اب تم جوہڑ پر رک کر، اپنے ساتھیوں کے بنا کیا کرو گی۔)

40سال کی عمر میں ایک ذی ہوش انسان فہم وادراک کی منزلیں طے کرنا شروع کرتا ہے۔ اور ایک منظم تحریک جو مجتمع ہو چکی ہو، اس کو ایک ٹھکانے کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ لہذا شاہ لطیف اور اس کے ساتھیوں نے ہالا اور مرکزی مین روڈ سے تقریباً 3-4 کلو میٹر دور گھنے جنگل میں ایک ٹیلے کا انتخاب کیا، جسے آج ہم "بھٹ شاہ" کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ ٹیلہ سیاسی و فوجی نقطہ نگاہ سے ایک محفوظ ٹھکانہ تھا اور شاہ لطیف نے وہیں آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ کہتے ہیں:

وَرُ سا سُڃِي ويڙهه جِتي سَڄڻ هيڪڙو،
سو ماڳ ٿِي قير جتي ڪُوڙ ڪُماٽهين.

- ڪاهوڙي

(ترجمہ: وہ ویرانہ زیادہ بہتر ہے، جہاں ایک دوست یعنی مقصد ہو۔ وہ جگہ ہی بدل دو جہاں جھوٹے اور مکار رہتے ہوں۔)

لطف اللطیف سے مذکور ہے کہ ہالا کے قرب و جوار میں حاکم سندھ میاں نور محمد نے نیو خدا آباد کو دارالحکومت چن لیا تھا، جب کہ ہالا میں مخدوم نوح سرور کی درگاہ تھی، جہاں شاہ لطیف بھی اکثر جاتے تھے۔ بھٹ پر شاہ لطیف کے ساتھیوں نے کچھ جنگل رہائش کے لئے صاف کیا اور اپنی صفیں آراستہ کیں۔ بھٹائی فرماتے ہیں:

جَهنگ ڪامِي پَٽ ٿِيو، لَڪِي چوران لِڪَ،
وَئِي وجودان نڪرِي جيڪا ڏڙِي ڏِڪَ،
هڪ سَڄڻ بِي سِڪَ، بئي پَهٽا پاڻ ۾.

- سریراگ

(ترجمہ: جنگل جل کر خاکستر ہو گیا۔ اب چور چھپ نہیں سکتے۔ جو بھی خوف یا رکاوٹ وجود میں تھی، جاتی رہی۔ اب دوست اور اس کا پیار دونوں مل کر ایک ہو گئے۔)

ابھی میں نے مخدوم نوح سرور کا ذکر کیا تھا، یہ 10 ویں صدی کے بزرگ تھے۔ تذکرہ صوفیائے سندھ میں درج ہے کہ یہ فرماتے ہیں، "سیاست کے بغیر ملک فسادی لوگوں، دشمنوں اور رہزنوں سے بچ نہیں سکتا اور سیاسی انتظام فوجی لشکر کی خوشنودی سے بہتر ہے۔"

بھٹائی پر قاتلانہ حملے :

بھٹائی پر قاتلانہ حملے کب اور کہاں ہوئے، ان کی تاریخ، ماہ و سال کا کوئی تذکرہ نہیں، البتہ شہادتیں موجود ہیں۔ لطائف لطیفی کتاب میں میر عبدالحسین سانگی ایک حکایت آخوند ملا احمد ساوئی سے منسوب کرتے ہیں کہ : "شاہ لطیف کو زہریلی پوشاک کے ذریعے مارنے کی سازش مقامی حکمرانوں نے بنائی اور اس کے لئے بھٹائی کے ایک دوست مخدوم عبدالرؤف بھٹی کو استعمال کیا گیا۔ مزید یہ کہ ایک زہر بھرا کشتہ بھی کھلایا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ لطیف کو سر یا گردن پر زخم ہو گئے۔ آپ ان زخموں پر ایک جڑی بوٹی ساتھر باندھتے تھے۔۔ چلیں اس شعر میں ساتھر اور دوستی میں دغابازی کا جائزہ لیتے ہیں :

ساتَر صِحت سُپرين، آهي نہ آزار،
مجلس وَير مِنو تئي كونِيندي قَهار،
خنجر تنهن خوب هٽي جنهن سين تِئي يار،
صاحب رَب ستار سوجهي رڳُون ساهَہ جون.

- كلياڻ

(ترجمہ : ساتھر بوٹی دوستوں کی جانب سے صحت ہے نہ کہ مصیبت۔ یہ قہر ڈھانے والا بلا تے وقت مجلس میں میٹھی باتیں کرتا ہے، لیکن جس کا دوست بنتا ہے، اسے خنجر گھونپ دیتا ہے۔
بس ایک اللہ ہی ہے جو سانسوں کو چلاتا ہے۔)

زہر دینے کا اگلا واقعہ تب رونما ہوتا ہے جب بھٹائی ملتان سے کاشی کے نقش و نگار والی ٹائلز اپنے پردادا شاہ کریم بلڑی والے کی مزار کی مرمت کے لئے کشتی میں لاد کر خدا آباد میں لنگر انداز ہوتے ہیں۔ جب وہ وہاں پہنچے تو والیٔ سندھ میاں نور محمد کے افسران تحائف لے کر آئے اور خاص طور پر ایک معجون دے کر کہا کہ یہ ضرور چکھئے! مؤرخ لکھتے ہیں کہ بھٹائی نے

وہ معجون دریا میں پھینک دیا۔ تب پتا چلا کہ یہ خطرناک زہر تھا جس سے کئی مچھلیاں مر گئیں۔
جسے اللہ رکھے، اُسے کون چکھے۔ اب یہ شعر پڑھیے :

عاشقَ زهر پِياڪَ وِهُ ڏِسِي وهِسن گهڻو.
ڪَڙي ۽ قاتل جا هميشہ هيراڪَ.
توڙي چِڪَن چاڪَ، تہ بہ آهَ نہ سَلِن عامَ کي.

- ڪلياڻ

(ترجمہ : عاشق زہر پینے والے ہیں۔ زہر دیکھ کر تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ یہ ہمیشہ سے کڑوے پانی اور سمِ قاتل کے عادی ہیں۔ ان کے زخم اگر کھل جائیں تو بھی لوگوں کو خبر نہیں ہونے دیتے۔)

مُضر تان مونکي ڪيا حَڪيمن هزار،
آڻي ڏي عَلِيل کي، مَعجونون موچار.

- وائي ابري

(ترجمہ : حکیموں نے تو مجھے کئی نقصان دیئے ہیں۔ اب اس بیمار کو کوئی مفید معجون یعنی دوا لا دو۔)

میر عبدالحسین سانگی کتاب "لطائف لطیفی" میں لکھتے ہیں کہ "ایک موقعہ پر میاں نور محمد کلہوڑو نے شاہ لطیف کو اعلیٰ نسل کا ایک گھوڑا تحفے میں دیا جو کہ شرارتی تھا اور کسی کو پیٹھ پر ٹکنے نہیں دیتا تھا۔" لیکن شاعر یہ امتحان بھی پاس کر گیا۔ کچھ تو ریفرنس گھوڑے کے حوالے سے اس شعر میں ہے :

تازِي ڏِيوس تَڪڙو، جَهنور پائي زِين
بيو مَڱي ڪِين، ڏارا سِر سيد چي.

- سورٺ

(ترجمہ : اسے سجا سنوار تازی یا عربی نسل کا گھوڑا دیا جائے جو تیز رفتار ہو۔ سید کہتا ہے کہ وہ جان کے سوا کچھ نہیں مانگتا۔)

جي هُو پائِن ڪانُ ڪمانَ ۾ تہ نيئِي ڏج سِينو،
ڪجي نہ ڪِينو وجِهي دَر دوستن جي.

- يمن

(ترجمہ :اگر وہ تیر کو کمان میں لگاتے ہیں تو پھر اپنا سینہ آگے کرو۔ دوستوں کے در پر جا کے کج بحثی کرنے سے کیا حاصل ؟)

اب اس سلسلے کا ایک قصہ مزید پڑھیں، پھر آگے بڑھیں گے۔ ایک روایت ہے کہ حاکم میاں نور محمد نے شاہ عبداللطیف کو خاص دعوت دے کر اپنے محل میں بُلایا۔ صوفی مسلک کے لوگ اگرچہ حاکمین سے ملنا پسند نہیں کرتے، لیکن اگر جانا پڑے تو یہ شعر اس صورتحال کا بھرپور عکاس ہے :

رِيءَ مَصلحت مَگَنا، قَصر کِين اَچن،
نُورَ تَجلو نُورَ سين، نِمئو نيٺ پَسن،
لَذائين لطيف چي، سندا ذاتَ ذِسيَن،
تيلاه مُلڪ ڏٺين، مَجيئو مگنهار کي.

- سورٺ

(ترجمہ :صوفی لوگ بغیر کسی مصلحت کے، محلوں میں نہیں جاتے۔ جب گئے تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا، اور لطیف کہے کہ کئی سمت سے فیض ملا یعنی سچی اور کھری باتیں کیں۔ تب ہی ملک کے حاکموں نے آنے والے درویش کا لوہا مان لیا۔)

حکایت میں بیان ہے کہ شاہ لطیف کو ایک خاص کمرے میں نشست دی گئی، جہاں کسی کو بھی آنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ تمثیل سور ٹھ رائے ڈیاچ کی داستان میں کچھ یوں ملتی ہے :

راجا رنگ محلَ ۾، جاجڪ سرزمين،
جِت اچن نه اُردابيگيون اُت ڪوٺايو امينَ.

- سورٺ

(ترجمہ :حاکم اپنے رنگ محل میں اور فقیر زمین پر ہے کہ اُسے اِک خاص کمرے میں بلایا گیا جہاں مردانہ لباس زیب تن کردہ لونڈیوں کو بھی آنے کی اجازت نہ تھی۔)

کہتے ہیں کہ میاں نور محمد کسی بہانے وہاں سے اُٹھ گئے تو حرم سرا کی خاص لونڈیاں اندر داخل ہو گئیں اور ناز نخرے دکھانے لگیں۔ اس ڈرامہ بازی کو لطیف کی نظر سے دیکھئے :

ڪاڪ نہ جَهليا ڪاپڙِي موهِيا نہ مَحلن،
بائِنِ ۽ بانهين جي بَندڻَ ڪِينَ بُجَهن،
لکين، لاهوتِين اُهڙيون اوريان ڇڏيون.

- مومل راڻو

(ترجمہ : سچے انسان کو نہ محل دو محلے روکتے ہیں اور نہ وہ ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ عورتوں اور لونڈیوں کی گرفت میں کیونکر آئیں گے، ان لاہوتیوں نے تو ایسی لاکھوں پیچھے چھوڑ دیں۔)

ڪاڪَ نہ جَهليا ڪاپڙِي موهِيا ڪنهن نہ مالَ،
جي ڇورين ڏِنا ڇالَ، تہ بہ لاهوتِي لنگهي ويا.

- مومل راڻو

(ترجمہ : صوفی فقراء نہ محلوں سے مرعوب ہوتے ہیں اور نہ دولت سے۔ لڑکیاں بیشک چھلانگیں مارتی رہیں لیکن لاہوتی متوجہ ہوئے بغیر چلے گئے۔)

1732-33ء - مخدوم عبدالرحمان کی شہادت :

ابھی صوفی عنایت کا خون سوکھا بھی نہ تھا کہ ایک اور سانحہ ہو گیا اور صوفی خیالات رکھنے والے ایک اور رہنما مخدوم عبدالرحمٰن، حاکمِ سندھ کے عتاب کا نشانہ بن گئے۔ آیئے جائزہ لیں کہ اس کے اسباب کیا تھے۔ تاریخی حقائق یہ ہیں کہ روہڑی کے سیدوں کو سبزی اور پھلوں کی فروخت سے ملنے والا گذارہ الاؤنس میاں نور محمد کے دورِ اقتدار میں بند ہو گیا۔ مخدوم اُن سے ملنے خدا آباد آئے اور صوبہ دار کو سفارش کی کہ یہ جزیہ بحال کیا جائے تاکہ سادات گذارہ کر سکیں۔ اب نوری جام تماچی کی تمثیلی داستان میں یہ شعر بھی ہے :

تُون تَماچِي تَڙَ ڌڻِي، آئون گندرِي غريب،
توسين ڄامَ قريب، ڪِي ڏَنُ ڇڏائي ڏيج مون.

- ڪاموڏ

(ترجمہ : تم تو بادشاہِ وقت ہو، اور ہم غریب لوگ ہیں۔ تم سے قربت ہے، اس لئے ہو سکے تو کچھ جزیہ یا امداد بحال کرو۔)

مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس ملاقات میں مخدوم عبدالرحمٰن نے میاں نور محمد سے پوچھا

کہ آپ کے پاس کتنے کُتے ہیں؟ جواب میں اس نے اپنے بہترین کتے منگوا کر لائین میں کھڑے کر دیئے۔ تاریخ کلہوڑا میں مولانا مہر لکھتے ہیں: ''کتوں کو دیکھ کر مخدوم نے کہا کہ جو شخص رعایتیں دے کر واپس لے، اس کی مثال اُس کتے کی سی ہے، جو اپنی قے چاٹتا ہے۔'' پس یہاں بھی تلخ کلامی ہوئی اور دشمنی کی بنیاد پڑ گئی۔ لیکن سید زادوں کا محصول حال ہو گیا۔

جُـ يار ڏِٺائون يارَ جو، پُٺيءَ پير ڪَرِين،
ڏسِي نہ ڏاڙهِين، شبانَ جي سَڳ ڪي.

(ترجمہ: جب وہ دوست کے دوست کو دیکھتے ہیں، تو اُلٹے پاؤں لوٹ جاتے ہیں۔ وہ اپنے مالک کے ساتھیوں پر نہیں بھونکتے۔)

بدلہ لینے کے لئے حکمران پارٹی نے سازش کے تحت ایک گلوکارہ گُلاں کو انہی سیدوں کے کسی نوجوان کے ہاتھوں اغوا کروالیا، جن کی حمایت مخدوم نے کی تھی۔ جب اس گلوکارہ کے شوہر نے مخدوم عبدالرحمن کو شکایت کی تو وہ اس گلوکارہ کو بازیاب کرالائے اور سیدوں سے بھی دشمنی مول لے لی۔

لاکي لَڄَ ڪنئي، اسان اوڏِڙين جي،
ڪندو ڪانہ ٻِي، اڳ وِسوڙهِيل آهيون.

- ڏهر

(ترجمہ: لاکھا یعنی بھلے آدمی نے ہماری لاج رکھ لی۔ اب ہمیں کوئی خدشہ نہیں۔ ہم تو پہلے ہی پریشان حال ہیں۔)

جولا سیدوں کے حامی فساد کے لئے پہنچ گئے اور خونریز تصادم ہوا۔ پلاننگ کے تحت سید گروپ روہڑی میں کلہوڑوں کے کاردار معین ڈھر سے ملا اور مخدوم عبدالرحمن کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ فوراً ہی یہ خبر حاکم سندھ کو دی گئی، جنہوں نے چار ہزار فوج کو حملے کے لئے روانہ کر دیا۔ اس فوج نے آکر بلکل جھوک میرانپور کی طرح اب کھہڑا گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ قومی تحریک کے کارکنوں کو اندازہ تھا کہ پھر صوفی عنایت کی کہانی دہرائی جائے گی۔ محاصرے کی تمثیل ملاحظہ کیجئے:

ڪانگن قطارون ڪيون جُڪيءَ ڪي چوڏار،
آئون نماڻِي نِڪتِي، دَمِج تون دِلدار.

- وائي ديسي

(ترجمہ : کمزور کو چاروں جانب سے کوؤں نے گھیر لیا ہے۔ میں بے قصور ہوں، مالک تو رحم کرنا۔)

مسجد میں خون بہنے لگا :

پھر ایک دن کسی نماز کے دوران ریاستی فوج نے حملہ کر دیا کچھ ہی دیر میں مسجد خون کا جوہڑ بن گئی۔ تذکرہ مخادیم کھہڑا، تذکرہ مشاہیر سندھ اور تحفۃ الکرام میں شہیدوں کی تعداد 220 سے 280 بتائی گئی ہے، جن میں خود مخدوم عبدالرحمٰن بھی شامل تھے۔ البتہ ان کے دو بیٹے بچ گئے۔ سچ ہے کہ مفاد پرست، اپنی راہ روکنے والے ہر شخص کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔

حقيقت هِن حال جِي، جي ظاهر ڪيان زبان،
لڳي ماٺ مِرن ڪي، رَسي سُور شبان،
تاڪُر تِڪي ڪانه، جبل سڀ جَلِي وڃي.

- ڪوهياري

(ترجمہ :اگر اس افتاد کی حقیقت میں زبان سے بیان کروں تو خنزیر بھی خاموش ہو جائیں اور شبان یعنی کتوں کے مالک کو بھی رنج پہنچے۔ کوئی چٹان کھڑی نہ رہنے پائے اور پہاڑ جل کر خاک ہو جائیں۔)

دیکھئے بھٹائی نے کس خوبصورتی سے ظلم کی پوری داستان ایک شعر میں بیان کر دی۔ اب یہ شعر پڑھیں۔

پَتنگن پَهُه ڪيو مِڙيا متي مَچَ،
پَسِي لَهَسَ نه لِڇِئا، سَڙيا متي سَچ،
سندا ڪِچين ڪَچ، ويچارن وِڃائيا.

- يمن

(ترجمہ : پروانوں نے ارادہ کیا اور دہکتے الاؤ پر جمع ہو گئے۔ انگاروں کی تپش محسوس کر کے بھی وہ پیچھے نہ ہٹے اور سچ پر قربان ہو گئے۔ انہوں نے بڑی تعداد میں اپنی جانیں دے دیں۔)

شاہ لطیف کی علمی و عقلی قابلیت :

یہ ایک فضول بحث ہو گی کہ شاہ لطیف اُمی تھے یا پڑھے لکھے۔ کئی مؤرخ اور محقق اس بات پر متفق ہیں کہ وہ تین کتابیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ایک قرآن حکیم، دوسری مثنوی مولانا روم اور تیسری بیان العارفین یا رسالہ شاہ کریم بلڑی۔ سب سے پہلے شاہ لطیف کو اُمی قرار دینے والے میر علی شیر قانع ہیں، جو شاہ لطیف کے انتقال کے وقت 25 سال کی عمر میں درباری وقائع نویس تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف تحفۃ الکرام میں لکھ دیا کہ لطیف اُمی و تارک الدنیا تھے، لیکن ہمیں لطیف کی شاعری میں یہ ثبوت ملتے ہیں کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

جن کي ڏوڙ درد جو، سَبق سُورَ پَڙهنِ،
فِڪر ڦَرهِيِ هَٿَ ۾، ماٺ مُطالع ڪن،
پَنو سو پڙهنِ، جنهن ۾ پَسن پرينءَ کي.

- يمن

(ترجمہ: جو درد کا احساس رکھتے ہیں وہ درد کا سبق پڑھتے ہیں۔ فکر کی تختی ان کے ہاتھ میں ہے لیکن مطالعہ وہ خاموشی سے کرتے ہیں۔ وہ ایسا کاغذ پڑھتے ہیں، جس میں محبوب یا مقصود کی صورت نظر آتی ہے۔)

مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں کہ شاہ لطیف نے اویسی طریقے کی وضاحت کے لئے مخدوم معین ٹھٹھوی کو فارسی میں سوال لکھ بھیجے تھے اور تحریر کیا تھا کہ ان کے جواب بھی آسان فارسی میں دیئے جائیں۔ ان کے جواب میں مخدوم معین نے رسالہ اویسیہ نامی کتابچہ رقم کیا تھا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہ لطیف سندھی کے علاوہ عربی اور فارسی بھی پڑھ لکھ سکتے تھے۔ علم کا حصول ان کے نزد اہم مقصد تھا۔

پَڙهڻ تہ ڪَڙهڻ، نہ تہ پڙهڻ آهي مذاق،
سَبق سُپيريان جي مون اندر ڪئِي اوطاق،
تون پردو رکج پاڪ، آئون حَرف نہ ڄاڻان هيڪڙو.

- يمن

(ترجمہ : پڑھو تو غور کرو، ورنہ رٹا لگانا مذاق ہے۔ میرے اندر تو مقصد کا سبق گھر کر چکا ہے۔
اے پروردگار پردہ رکھنا، میں تو ایک حرف بھی نہیں جانتا۔)

محقق لکھتے ہیں کہ شاہ لطیف، شاہ ولی اللہ کے فلسفے سے بھی واقف تھے، کیونکہ مخدوم معین اور شاہ ولی میں خط و کتابت کا سلسلہ رہتا تھا اور یہ تعلیمات شاہ لطیف کو بھی حاصل ہوتی تھیں۔ اب سسئی کے حوالے سے یہ شعر پڑھیئے۔ حالانکہ سسئی تو پڑھنا نہیں جانتی تھی۔

ويو جاڳائي جَت، ويرِي ڪنهن وِلات جو،
سندو سُورن خط، ڏِنم هوتَ هَٿن سين.

(ترجمہ : وہ جاٹ کسی دور کی منزل کا بیری مجھے جگا گیا۔ اپنا درد بھرا خط، دوست نے اپنے ہاتھوں سے مجھے دیا۔)

آیئے، عمر ماروی کی داستان کا یہ شعر پڑھتے ہیں اور ہمیں علم ہے کہ ماروی کسی یونیورسٹی کی طالبہ نہیں تھی۔

الا، اوٺِي آڻِيين، جي نِياپا نِيين،
مَس منهنجي هٿَ ۾، ڪاغذَ ڪِي آڻِين،
لُڙڪَ لِکڻ نہ ڏِين، ڪِريو پُون قلم تي.

- مارئي

(ترجمہ : خدارا! وہ شتربان آجائیں، جو پیغام لاتے لے جاتے ہیں۔ سیاہی یا دوات میرے ہاتھوں میں ہے، کاش وہ کاغذ لے آئیں۔ آنسو کچھ لکھنے نہیں دیتے اور قلم پر ٹپک پڑتے ہیں۔)

ڈاکٹر نبی بخش بلوچ رقم طراز ہیں کہ شاہ لطیف کا اپنے ہاتھ سے لکھا شعر آج تک کوٹڑی کبیر کے مخادیم کے پاس محفوظ ہے، جو کہ انہوں نے مخدوم عبدالرحمن شہید کے فرزند مخدوم محمدی کی دعوت کے جواب میں بھیجا تھا۔ آپ بھی پڑھیے :

اڄ نہ آيس آئون، سُپان ايندس سُپرين
توتي جنهن جو نانءُ، سو ڪٽي بارَ ڪُهِين جا

(ترجمہ : آج نہیں آسکتا، اے دوست میں کل آؤں گا۔ تم پر جس کا نام ہے وہ تھکے ہارے لوگوں کا سہارا ہے۔

1734-38ء ترکی کی ایران و روس سے جنگ - نادر افشار کا پنپنا :

1734ع میں کلھوڑا حکومت کے فوجی جرنیل میر شہداد انتقال کر گئے اور ان کے بیٹے میر بہرام سپہ سالار بنے۔ 1735ء میں روس کی ترکی سے جنگ چھڑ گئی، جبکہ ترک ایران سے بھی لڑ رہے تھے۔ یہ تمام تفصیل تاریخ دولت عثمانیہ میں موجود ہے۔ قصہ مختصر، یہ تمام خطہ اُس وقت بھی اقتدار کی جنگ میں مصروف تھا۔ نتیجتاً ایران میں غلزئی سلطان اشرف کا اقتدار جاتا رہا اور نادر شاہ افشار حکومت کا نگران بن گیا۔ 1736ء میں نادر تاج پہن کر بادشاہ بن گئے۔ اِن سیاسی و سماجی تبدیلیوں کو ذہن میں رکھ کر آپ لطیف کی یہ شاعری پڑھیں اور دیکھیں کہ بارش یا تبدیلی کے آثار اُس وقت خطے میں کس طرح پھیل رہے تھے :

موٽِي مانداڻِ جِي، واري ڪيائين وارَ،
وِڄون وَسڻ آئيون، چوڏِس تي چوڌار،
ڪي اُٿيون اِستنبول ڏي ڪي مَٿيون مغرب پار،
ڪي چَمڪن چِين تي، ڪي لَهن سمرقندين سارَ،
ڪي رَمِي ويون روم تي، ڪي ڪابل ڪي قنڌارَ،
ڪي دِلِي ڪي دکن، ڪي گَڙِن مٿي گِرنارَ،
ڪَهِين جُنبِي جيسر ميرَ تان ڏِنا بِيڪانير بُڪارَ،
ڪَهِين پُڄ پِڇائِيو، ڪَهِين ڍَٽَ متاهين ڍارَ،
ڪَهِين اچي امرڪوٽ تان، وَسايا وَلهارَ،
سائِينم سدائين ڪرين مٿي سنڌ سُڪارَ،
دوست مٺا دلدارَ، عالم سڀ آباد ڪرين.

- سارنگ

(ترجمہ :بارش کی رُت لوٹ آئی، گویا حملہ سا ہو گیا۔ چاروں طرف بجلی کڑکنے اور بارش ہونے لگی۔ اس کی زد میں استنبول تھا اور مغرب بھی۔ کوئی بجلی چین پر چمکی، تو کوئی سمرقند کو پہنچی۔ یہ روم بھی گئیں اور کابل، قندھار بھی، دلی، دکن اور گرنار پر بھی گرج سنائی دی۔ جیسلمیر سے بیکانیر تک بھی چرچا تھا۔ پھر ریگستانی علاقہ بھوج، ڈھٹ، اُمرکوٹ اور ولہار میں بھی گرج چمک ہو گئی۔ بس میرے مولا! سندھ کو ہمیشہ سرسبز اور تمام بر اعظم کو شاد و آباد رکھ۔)

میرے خیال میں، شاہ لطیف نے کافی کچھ سمجھانے کی کوشش کی ہے، جو ان کی بات کی تہہ تک نہیں پہنچ پارہے، ان کے لئے بھی ایک شعر عرض ہے۔

اکر چُئي هيڪڙي ڀَھون جي نہ ٻُجَھن،
ڪوہ ڪبو ڪي تِن، سڄي سُڻائي ڳالهڙي.

(ترجمہ: جو ایک لفظ سنتے ہی اگر مزید نہیں سمجھ پاتے، انہیں پوری بات سنانے سے کیا حاصل!)

نادر افشار پوستین ساز امام قلی کا بیٹا تھا، جسے ازبک لوگوں نے 17 سال کی عمر میں قید کرلیا۔ وہاں سے یہ بھاگ کر امیر بابل بیگ کا ملازم بنا۔ پھر ایک دن امیر کو قتل کرکے اُس کی بیٹی بھگالے گیا۔ جنۃ السندھ سے حوالہ ہے کہ فوج میں شمولیت تک نادر افشار ڈاکہ زنی کرتا تھا۔ 1738ء میں نادر شاہ کابل و قندھار کو فتح کرکے جلال آباد کے راستے پشاور پہنچ گیا۔

1739ء نادر شاہ دہلی میں - سندھ میں بغاوتیں :

پشاور سے لاہور ہوتا ہوا نادر شاہ اپنے لشکر سمیت دہلی جا پہنچا۔ وہاں قتل عام کے بعد مغل تاجدار محمد شاہ رنگیلے نے کئی علاقے اس کے حوالے کردیئے، جن میں سندھ بھی شامل تھا۔ اسی سال کے آخر میں نادر شاہ واپس کابل پہنچا اور میاں نور محمد کلہوڑو کو کابل طلب کیا۔ اب نادر شاہ کی اگلی منزل سندھ تھی، جہاں لطیف کی شاعری گونج رہی تھی :

سُتين سَنجھيئِي، وِڄَ ڪِنوَندئِي وَيسِرا.
وِيرَ وِرِي وِيئِي، آسارن تان اوچتِي.

(ترجمہ: اے غافل! سر شام ہی تم سونے لگے ہو، لیکن یہ نہ بھولو کہ بجلی کڑکنے والی ہے۔ مد وجزر اچانک ہی غافل لوگوں کو لپیٹ میں لے لیتا ہے۔)

سندھ کے حالات انتہائی خراب تھے۔ معاشی بدحالی اور محصول کی وصولی سے بیزار چھوٹے موٹے زمیندار اپنے کسانوں اور عام آدمیوں کو لے کر حاکموں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ 1739ء میں ٹھٹھہ میں دھاریجو قبیلے نے بغاوت کردی اور پہلی دفعہ اس قسم کی لڑائی میں بحری جہاز استعمال کئے گئے۔ دریائے سندھ اور اس کے کنارے توپوں سے گونج اُٹھے اور کئی لوگ مارے گئے۔

كالَ وِڏائين كُنَ ۾ جاڏا جُنگ جهازَ.
تنهنجِي اڄ ترازَ آهي آر اكين ۾.

- سریراگ

(ترجمہ: سمندر نے کل بڑے مضبوط جہاز بھنور میں ڈال دیئے۔ آج تیری چھوٹی کشتی بھی پانی کی نظر میں ہے۔)

اُدھر نادر شاہ کابل سے سندھ کی جانب روانہ ہو کر جب دیرہ غازی خان پہنچا تو پھر کلہوڑا حاکم کو آنے کے لئے کہا، لیکن وہ نہیں گئے۔ اب نادر شاہ سندھ کی طرف چلتا ہے اور ہم اس قومی تحریک کی طرف جو اب انڈر گراؤنڈ چل رہی ہے۔

انڈر گراؤنڈ تحریک :

دنیا کی کوئی بھی تحریک بغیر پیسے کے نہیں چل سکتی۔ اس سلسلے میں کوئی مثال دینا قابلِ ذکر نہیں، کیونکہ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے یہ بات جانتے ہیں۔ اُس وقت بھی یہی ہو رہا تھا اور مال حاصل کیا جا رہا تھا۔ یہ شعر دیکھئے جس میں پرندوں کی تمثیل بتائی گئی ہے۔

پَكِي پَيهِي نِڳئا، مَنْجهان لِتڙن لَڪ.
كِنين ماڻڪ ميڙيا، كِنين رَتا پَڪ.
پُنِيءَ لائي لڪَ، گڏيو هَنج حبيب كي.

(ترجمہ: پرندے بڑی تعداد میں پانی میں آئے اور کشتی سے ملانے والے تختے پر اُترے۔ کچھ نے جواہر حاصل کئے اور کچھ لہولہان ہو گئے۔ یوں ہنس پرندہ ساتھیوں سمیت سُرخرو ہوا۔)

شاہ لطیف کی شاعری قومی ورکرز کے لئے اسباق کی صورت تھی، وہ سمجھا رہے تھے کہ دشمن سے بچتے ہوئے، کام کو انجام دو۔

سِڪَ سِڪائي سِڪُ، سِڪَ نہ آهي سُتِرِي.
لِڪَ لِڪوتِي لِڪُ، تہ ڪرن خبر نہ تئي.

- آسا

(ترجمہ: اگر کسی مقصد کے لئے ترس رہے ہو تو جلد بازی نہ کرو، چھپا چھپی کا کھیل کھیلو تاکہ دشمن کو خبر نہ ہو۔)

آگے شاعری میں کوّے کی مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ پیغامبر رات کو آیا تھا۔ شاذو نادر ہی کوا رات کو بولتا ہے۔

كِي جو زاغ زبان سين لَنيو متي لامَ،
پهچايائين پِرينءَ جا سَرتِيُون رات سَلام،
كاكيون كَتي كامَ ته كَهيو سُٽان كانگ جو.

- پورب

(ترجمہ: پیغامبر کوّے نے رات کو درخت کی ڈال پر بیٹھ کر زبان سے کچھ کہا اور دوستوں کے سلام عرض کیئے۔ آپ فی الحال سُوت کا تانا بند کریں، تاکہ میں پیغامبر سے پیغام سنوں۔)

سب جانتے ہیں کہ آج بھی چھپ کر علاج وہ کراتے ہیں جو یا تو مجرم ہوں یا پھر سیاسی ورکر۔ بھٹائی بھی یہ سب دیکھ رہا تھا۔

رهِي اڄجي راتڙِي تن واڍوڙِئن وَٽاءِ،
جن كي سُور سَريرَ ۾، گهٽَ مَنجهاران گهاءِ،
لِكائي لوكاءِ، پاٽهِي پَڌن پَٽيُون.

- يمن

(ترجمہ: ایک رات ان زخمیوں کے ساتھ گذارنی چاہیئے، جن کے جسم میں درد اور روح پر زخم لگے ہیں۔ یہ زخمی، لوگوں سے چھپ کر خود ہی اپنی مرہم پٹی کرتے ہیں۔)

دیکھیں سسئی پنہوں سے منسوب اس شاعری م لطیف کیا بتانا چاہتے ہیں۔

ويهه مَ مُنڌَ ڀَنڀور ۾ هاڙهي هَنڌ مَ هَل،
كوڙِي كج مَ كڌهِين، سچِي ڳالهه مَ سَلُ،
جانِبَ لَئهه مَ جَلُ، سُورَ وِسار مَ سَسئِي.

- آبري

(ترجمہ: بھنبھور میں قیام نہ کرو اور ہاڑھو پہاڑ کو بھی مت جاؤ۔ جھوٹ تو کبھی بولنا ہی نہیں لیکن سچی بات بھی نہیں بتانی۔ مقصد کی خاطر کُڑھنا چھوڑ دو، لیکن درد کو کبھی نہیں بھولنا۔)

قومی کارکن فقیروں اور جوگیوں کے بھیس میں سفر کرتے اور سینگ یا Horn بجا کر اشاروں سے پیغام دیتے تھے۔

سُوڏو سِگَڙِيَن سين کِي جو کَهيائون،
هوءَ جا هَنيائون، آئون نه جِيئندِي ان ري.

- رامڪلي

(ترجمہ : سینگ بجا کردہ جو کچھ کہہ گئے ہیں وہ بات چُبھ سی گئی، اب میں ان کے بغیر زندہ نہ رہ سکوں گا۔)

1739-40ء نادر افشار کی سندھ میں آمد :

اس سال ہمارے شاعر شاہ عبداللطیف تقریباً 50 سال کے ہیں۔ سندھ میں ان کی سماجی حیثیت بطور شاعر اور صوفی رہنما ہمہ گیر ہے۔ ان کا ہیڈ کوارٹر بھٹ شاہ کے نام سے مشہور ہو چکا ہے۔ اب ان کے آستانے پر لوگ جوق در جوق آتے ہیں، صوفیانہ کلام اور ناصحانہ گفتگو سنتے ہیں۔ اُدھر نادر شاہ افشار کے آنے کی خبر گرم ہے جو دیرہ غازی خان سے روانہ ہو چکا ہے اور یہاں بھٹائی خبر دار کر رہے ہیں :

سَنجهي رَهن سُمهِي غافِل مَنجهه گهرن،
ليڙن جو لطيف چي کَرِگَلُ سوءِ نه کَنِ،
سي ڪِيئَن مُحب مِڙن جي سَنجهي رهن سمهِي.

- ڪوهياري

(ترجمہ : غافل شام ہوتے ہی گھروں میں سو جاتے ہیں اور لطیف کہے کہ آنے والے اونٹوں کی آواز بھی ان کے کان میں نہیں پڑتی۔ بھلا شام کو سو جانے والے کس طرح منزلِ مقصود پائیں گے۔)

جَتن ڪج جَتن جو، آئيا ڪ اِيندا،
وتِي پُنهون پاهِنجو، وٿان تو وِيندا،
دَمُ نه دَمِيندا، سِڌاريندا ساٿيهه ڏي.

- ديسي

(ترجمہ : یہ جو ابھی آنے والے ہیں، ان اونٹ سواروں سے خبر دار رہو اور انتظام کرو۔ یہ گوہر نایاب تجھ سے چھین کر ایک پل بھی نہ رکیں گے اور وطن لوٹ جائیں گے۔)

جب نادر شاہ سندھ میں داخل ہوا تو میاں نور محمد تخت چھوڑ کر کچھ ریگستان چل

دیئے۔ تاریخِ کلہوڑا میں آنند رام سے حوالہ ہے کہ :"کلہوڑا حاکم تمام خزینہ بھی ساتھ لے کر امر کوٹ پہنچے، صرف 22 لاکھ کی رقم دارالخلافہ میں موجود تھی۔"

نادر افشار اسی خزانے کی تلاش میں تو یہاں آیا تھا۔ سو وہ میاں نور محمد کے تعاقب میں ریگستان کی جانب روانہ ہو گیا۔ یہ خزانے کا ذکر ہو رہا ہے اور بھٹائی کچھ تمثیل بیان کر رہے ہیں :

اگڻ متي اوپرا جڏهن ڏاگها ڏِينهن ڏِٺاءِ،
ڪُنجون جي قفلن جون، تان ڪنهن لَڪِ لِڪاءِ،
تہ سُياڻي سَندياءِ، تِئي سارُوڻِي سَسئِي.

- ديسي

(ترجمہ :جب دن کو اپنے آنگن میں اجنبی اونٹ دیکھے تو تالوں کی چابیاں کسی طور چھپا دینی چاہئیں تھی، تا کہ کل آڑے وقت تمہارے کام آسکیں۔)

میں طوالت کے خوف سے کچھ غیر اہم تاریخی حقائق نظر انداز کرتے ہوئے آپ کو شہداد پور لئے چلتا ہوں، جہاں نادر شاہ نے پڑاؤ ڈالا ہے! یہاں اُسے والیٔ سندھ کی جانب سے تحائف اور درخواستِ فرمانبرداری ملے، لیکن نادر شاہ امر کوٹ پہنچ ہی گیا اور کلہوڑا حاکم کو قلعے میں محصور کر دیا۔ پھر جب جاں بخشی کا عندیہ ملا، تب میاں نور محمد دربار میں پیش ہوئے۔ کلہوڑا تاریخ سے حوالہ ہے کہ میاں صاحب کو ایک قیدی کی حیثیت سے لاڑکانہ لایا گیا' متعلقہ تمام لوازمات کے ساتھ! یہاں ایک شعر بھٹائی کا ہو جائے۔

هوس وڏيرو وڳَ جو مِڙني ۾ مَهندار،
چُنم تي چاڳَ مَنجهان موڙيو مَجَرَ تارِ،
لِڪئي جِي لَغار، آڻي بَڌم اکيا.

- ڪنيات

(ترجمہ : میں تو اپنے قبیلے کا سربراہ اور سب سے زیادہ رُتبے والا تھا۔ جو جی میں آتا، ناز نخرے سے کرتا اور کھاتا تھا۔ یہ نصیب کا لکھا ہے کہ آنکھوں پر پٹی باندھی گئی۔)

لاڑکانہ اُس زمانے میں چانڈکا کہلاتا تھا۔ دربار میں مذاکرات کے دوران میاں نور محمد نے دو کروڑ مالیت کا جرمانہ دینے کا وعدہ کیا اور تمام زیورات و جواہرات بھی نادر افشار

کے نذر کیئے۔ بھٹائی کچھ یوں عکاسی کرتے ہیں :

لک مِڙئِي لُٽيا، هُنئَين ويا هزارَ،
وَتيئہ ڪِينَ وِلَهن سين، ڪَنہِي پر قهار.

- وائي سريراڳ

(ترجمہ : لاکھوں ہزاروں یوں ہی لٹا دیئے، لیکن خدا کا خوف تمہیں نہ تھا کہ کچھ، بہادر انسانوں میں بھی بانٹتے۔)

دولت بھی گئی اور بیٹے بھی :

نادر شاہ افشار نے عاشورہ اور جشن نوروز چانڈ کا میں گذارا اور جاتے وقت مرکزی لائبریری سے تمام کتب اور میاں نور محمد کے دو بیٹوں مرادیاب اور غلام شاہ کو ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ یر غمال بنا کر لے گیا۔ لیلا چنیسر کی داستان میں یہ تمثیل کچھ یوں ہے :

چئِي چنيسر چام سين لِيلا لَڪاءِ مَ تون،
اِيءُ ڪانڌ ڪنهنجو نہ تِئي نہ ڪا مون نہ تون،
روئَنديون ڏِٺيون مُون، اِن دَر مَتي دادِليون.

- ليلا چنيسر

(ترجمہ : بادشاہ سے بحث کر کے خود کو خراب کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ نہ تیرا نہ گانہ میرا۔ اس کے در پر میں نے بہت سی لاڈلیوں کو روتے دیکھا ہے۔)

سندھ کا بٹوارہ :

نادر شاہ نے سندھ کے تین حصے کر دیئے۔ تاریخ کلہوڑا میں درج ہے کہ سبی اور کا چھو علاقے والیٔ قلات، شکار پور اور کچھ ملحقہ شمالی علاقے داؤد پوتہ عباسی اور باقی علاقے کلہوڑوں کو ملے۔ بھٹائی کی ایک مصرع یہاں کافی ہے۔

مِڙيا مَڇَ هزار، ياڳا تيندِي سُهٽي!

(ترجمہ . کئی مگر مچھ جمع ہو گئے ہیں۔ اب تو سوہنی سندھ ٹکڑوں میں بٹ جائے گی۔)

ایران کا یہ جنگجو، نادر شاہ سندھ میں اپنا سکہ اور خطبہ رائج کرنے کے لئے سلیمان بیگ اسلم، کچھ اعلیٰ افسران اور 400 فوجی بھی چھوڑ گیا، جن کا کام خراج کی وصولی تھا۔ لیکن ایرانی فوج نے سندھ میں لوٹ مار شروع کر دی اور مقامی طور پر خونریزی کا ایک نیا باب کھل گیا۔

بُـرو بِـگيرد بي، تا ڏِين پاريسيون پاڻ ۾،
مون لوڏائِين لَـکيا تـہ هاجو کندا ھي،
ماريندا مونکي، پُـنهون نِـيندا پاڻ سين.

- ديسي

(ترجمہ :یہ جو آپس میں فارسی بول رہے ہیں،ان کی چال چلت دیکھ کر ہی میں سمجھ گیا تھا کہ یہ مظالم ڈھائیں گے۔پنھوں یعنی سندھ کو لُوٹ کھسوٹ کر یہ مجھے مار دیں گے۔)

تاریخِ کلھوڑا کے مصنف مولانا غلام رسول مہر صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :"اگر میاں نور محمد، نادر شاہ کا مقابلہ کرتا تو ایرانی فوج کو شکست دینا ممکن تھا۔" شاید یہی سوال بھٹائی نے اس شعر میں کیا ہے۔

اگڻ مَـتي اوپرا جڏهن ڏِٺئِـہ اُٺَ،
ڏايُـئِـہ ڏاگهن کي اوڳِـي، ساڻ اَڪَٺ،
هُـوند نـہ تنهنجي هٺَ، سُـورِ پِـرايا سَـسئي.

- ديسي

(ترجمہ :جب تم نے آنگن میں اجنبی اونٹ دیکھے تو کم عقل اُسی وقت اُن کو رسہ ڈال کر قابو کیوں نہ کیا۔ایک تمہاری ہٹ دھرمی سے سَسئی یعنی سندھ مصیبت میں پڑگئی۔)

مؤرخ لکھتے ہیں کہ والیٔ سندھ نے سالانہ 21 لاکھ رُوپے سکہ رائج الوقت نادر شاہ کو دینا قبول کیا تھا۔اس کے علاوہ سندھ کے ہزاروں بے گناہ لوگ حملے میں مارے گئے۔لطیف حیراں ہے کہ یہ سب کیوں ہوا :

ڪِـئَن آڙايُـئِـہ پاند، پَـلئِـہ پرڏيهين سين،
مَـتيون مُـوڙهيئِـہ سَـسئِـي، ڪيئِـہ ڪوهيارو ڪانڌ،
رُلـي، پانئـِيـہ راند، بانيڻ عشق بروچ جو.

- حسيني

(ترجمہ :کیا تمہاری مت ماری گئی تھی کہ تم نے ان بدیسیوں سے پنگا لے لیا۔شاید تم نے اسے بھی ایک کھیل سمجھا تھا۔)

تاریخِ کلھوڑا میں تاریخِ قلات کے مصنف رابرٹ لی سے حوالہ ہے کہ،" نادر شاہ جب لاڑکانہ سے گنجابہ آئے تو کلھوڑوں کے مقرر کردہ ناظم مراد کلیری نے 7 دن ایرانی لشکر

کی مہمانی کی۔ رخصت ہوتے ہوتے نادر شاہ نے میاں نور محمد کے ایماء پر اُسے قتل کر دیا۔ اپنا، آپ نہ مارے پرائے کو کہے۔ ایسے میں شاہ لطیف کہتے ہیں :

کُهين تہ آپ ڪُهہ، ڏس مَ چوهَڙِيان،
سَندا آهيڙِيان، آن نہ سَهنديِ هَٿڙا.

(ترجمہ: ذبح کرنا ہے تو خود کرو، اس کے لئے کسی چمار کو کہنے کی کیا ضرورت ہے؟ شکاری کے ہاتھ میں برداشت نہیں کر سکتا۔)

1741ء سول نافرمانی کی انتہا- معاشی حالات کا جائزہ :

نادر افشار کے روانہ ہوتے ہی مختلف قومیں اور قبیلے زور پکڑنے لگے، کیونکہ کلہوڑا حکومت کمزور پڑ گئی تھی۔ رواں سال میں ہالا چاکر، چاچکاں اور ونگو کے قبائل بھی سول نافرمانی تحریک میں شامل ہوئے اور محصولات دینے سے انکار کر دیا۔ یہاں بھی فوج کشی میں بیشمار لوگ مارے گئے۔ صوفی عنایت، مخدوم عبد الرحمن اور کئی دیگر صوفی رہنماؤں کی شہادت کے بعد ان کے باقی رفقاء مسلسل لوگوں میں آگاہی پیدا کر رہے تھے اور ان کا عوام سے رابطہ تھا۔ بھٹائی کی زبانی سنیئے :

ڪَنُ تِي، ڪيچين ڪُڇيو، ڪُڇ مَ، تا ڪُڇن،
اِشارتون اُنِ جون، سُڪوتان سُڄن،
وَتان ويهِي تن، سُڻ تہ سوز پِرائيين.

- آبري

(ترجمہ: کان لگا کر خاموشی سے سُن، وہ کچھ کہہ رہے ہیں۔ ان کی خاموشی میں بھی اشارے ہیں۔ ان کے پاس بیٹھ، تاکہ تمہیں کچھ سوز حاصل ہو۔)

اقتصادی حالات :

اب ہم یہاں گذشتہ 40 سالوں میں سندھ کے معاشی، سماجی اور اقتصادی حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور بھٹائی کی شاعری ہماری رہنمائی کرتی رہے گی۔ مکلی ٹھٹھہ میں ارغون اور ترخان دور کے شاندار مقبرے اس بات کا ثبوت ہیں کہ حاکمِ وقت، عوام سے وصولے گئے محاصل سے بھرا خزانہ، مرنے کے بعد بھی بیدردی سے لٹا گئے۔

سونا وَج صَراف سين، لَنْو هَنْ مَ لاهھ
آهي تن أونداھ، جن جواھر ضائع ڪيا.
- سريراگ

(ترجمہ : تو صراف کے ساتھ چلا جائے سونے یہاں مت رک افسوس اُن لوگوں پر جنہوں نے جواہر ضائع کر دیئے۔)

مولانا رحیم داد مولائی شیدائی تاریخی کتاب "جنتہ السندھ" میں لکھتے ہیں : "کلہوڑا دور میں سندھ کی آمدنی کم وبیش 80 لاکھ روپے سالانہ تھی۔ حاکم چونکہ زمیندار تھے، اس لئے انہوں نے زراعت کی ترقی کے لئے نہریں کھدوائیں، لیکن یہ کام عوام سے جبراً لیا جاتا اور معاوضہ بھی نہ ملتا تھا۔ شاہ لطیف کہتے ہیں :

پورهِئو سندو پورهيتن، والِي ڪيم وِجاءِ،
سو مون تورو لاءِ جو جيئري مِلان جَت ڪي.

(ترجمہ : اے حاکم، مزدوروں کو معاوضہ دو، ان کی محنت ضائع نہ کرو۔ کم از کم اتنا تو دو کہ وہ زندہ، گھر والوں سے مل سکیں۔)

کسان کو زمینی پیداوار کا تیسرا حصہ بطور محصول ادا کرنا ہوتا تھا، باقی بچا کھچا اناج زمیندار لے جاتے تھے اور کسان، مہاجن کے قرض تلے دبا رہتا تھا۔ سب کچھ ویسا، جیسا آج بھی ہے۔ بھٹائی یہ غمزہ ماروی کی داستان میں بیان کرتے ہیں :

عمر اِنهيءَ ڏيهه جا ڪوڙر قُوت ڪرينديِ،
پُسِي ڪائِي پيٽَ ڀر، ڏوٽرا ڏَنُ آئون ڏيندي.
- وائي مارئي

(ترجمہ : اے حاکم، میں اس زمیں پر پھاوڑا چلاؤں گا، پُسی یعنی تھر کی ایک ارزاں سبزی سے پیٹ بھروں گا، لیکن جرمانے میں اچھی سبزی پیش کروں گا۔)

21 لاکھ روپے سالانہ نادر شاہ کو دینے کے پیشِ نظر کلہوڑا اور ایرانی افسروں نے عوام کی زندگی اجیرن کر دی۔ جاگیردار محاصل یا جرمانہ نہ دینے والے کسانوں کو گاؤں بدر کر دیتے تھے۔ تب شاید لطیف نے کہا :

چِنل چَجَ هَٿن ۾، ڪُلهن ڪوڏارا،
پورهئي خاطر پانهنجي اُٿن سوارا،
اوڏ بہ ويچارا، لاڪا وڃن لڏيو.

(ترجمہ :اُن کے ہاتھوں میں پھٹے کٹے چھاج ہیں اور کندھے پر پھاوڑا۔ یہ محنت مزدوری کے لئے صبح تڑکے اٹھنے والے اوڈیا غریب لوگ بھی اے لاکھا حاکم! یہاں سے نقل مکانی کر رہے ہیں۔)

ڏُکيءَ ڏَمر ناهِہ، بُکيءَ کِلَ نہ اُجَهي،
اُگهاڙيءَ وِهانءُ، ويو ويچاريءَ وِسري.

- معذوري

(ترجمہ :مصیبت زدہ انسان پر کوئی دوش نہیں اور بھوکا آدمی قہقہے نہیں مار سکتا۔ لباس سے محروم لوگ تو شادی تک بھول چکے۔)

کسی گاؤں میں جب سرکاری کارندے اور سپاہی آدھمکتے تو لوگ گھروں میں چھپ جاتے تھے اور عورتیں پانی بھرنے کے لئے کنویں تک نہیں جاتی تھیں۔ یہ منظر شاعری میں دیکھئے :

پِنيءَ جي پُوٽن، اَنَ پيچَ پُٽڪو نہ سُٹان،
سِنجڻ واريون سُتيون وڃِي ويڙهہ وَرنِ،
پيا سيٽَ سَڙنِ، تُرهي بِنهين ڪَنڌيين.

- مارئي

(ترجمہ : صبح سویرے جو کنویں سے پانی بھرنے آتی ہیں، آج ان کی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ شاید وہ گھروں میں شوہروں کے ساتھ سوئی ہوئی ہیں اور ڈول کے ساتھ بندھے رسے دھوپ میں جل رہے ہیں۔)

تاریخ تمدنِ سندھ سے مذکور ہے کہ جاگیرداروں کے پالتو رہزن اور ڈکیت کسانوں کا جمع کیا ہوا غلہ لوٹ لے جاتے تھے اور اگر کوئی شکایت کرتا تو جان سے جاتا تھا۔ تب لطیف نے کہا :

ڏُکوين اُهجاڻ، ڪُلهي قاتل ڪَنجرو،
وَڃن گُوندَر گَڏيُون، لوڪَ نہ آڃن پاڻ،
سُورن اسان ساڻ نندي ٿِيي نِينهن ڪيو.

- حسيني

(ترجمہ : مصیبت زدہ لوگوں کی نشانی یہ ہے کہ قمیص کندھوں تک تار تار ہے۔ دکھ، دل میں چھپا ہے کہ کسی سے کہہ بھی نہیں سکتے۔ ہمارے ساتھ تو مصیبتوں نے کمسنی سے ہی عشق کیا ہے۔)

54 اقسام کے ٹیکس :

تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مغل شہنشاہیت کے زیر اقتدار علاقوں میں عوام سے 54 اقسام کے ٹیکس وصول کیئے جاتے تھے۔ شاہ لطیف نے یہ ظلم اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حکمرانوں کو متنبہ کیا۔

پُوڃا ڪَر مَ پاڻ ڪي، جوڳي رکج جوڳ،
خُلقُ خالِقَ جيئن ڪرِين ايءُ راول وڏو روڳ،
يَـڳن ڪونهي پوڳ، نانگا وجن نِـڱـئا.

- رامڪلي

(ترجمہ : اپنی پُوجا نہ کروا اور خود کو بندہ بنائے رکھ، یہ جو تم خود کو خدا سمجھتے ہو اس سے بڑی بیماری کوئی نہیں۔ اندر سے ٹوٹے ہوئے لوگوں کو تیری پرواہ نہیں، وہ چلتے رہیں گے۔)

سب سے زیادہ لوٹ مار بندرگاہ پر ہوتی تھی، جہاں آنے جانے والے جہازوں اور ملاحوں سے جائز ناجائز چنگی وصول کی جاتی تھی۔ جو لوگ اس لوٹ کھسوٹ سے بچ جاتے وہ خوش قسمت کہلاتے تھے۔ لطیف آپ کو یہ منظر بھی دکھاتے ہیں۔

حُرمت ساڻ حبيبَ جي، سُونگيا نہ سيئـِي،
پاڙهِـي اُوءِ پيهـِي، ڪنڌ ڪيڙائـُو آئِـيا.

- سريراڳ

(ترجمہ : یہ مالک کا کرم تھا کہ ان پر چُنگی نہ لگی اور وہ بحر اعظم گھومنے والے، خیریت سے واپس لوٹ آئے۔)

وَهي وَڻجارن جـِي بَـنـدر ڏانهن بَـهِـيرَ
گهر تنين جي ڪِير، جن لاڳيدار لنگهائـِيا.

- سريراڳ

(ترجمہ : تاجروں کی صفیں بندرگاہ کی طرف گامزن ہیں، جو محصول چنگی سے بچ گئے، ان کے گھروں میں ہی خوشحالی ہوگی۔)

جولاہوں پر ظلم :

شاہ لطیف کے سارے عرصے 60 سالوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا کاروبار سندھ میں معطل رہا اور اس عرصے کا کوئی ریکارڈ بھی شاید برٹش انڈیا آفس لائبریری میں موجود نہیں، لیکن عیسوی 1700 سے پہلے کی تاریخ شاہد ہے کہ جولاہوں سے سارا خام سوت یا کپڑا فرنگی سرمائیدار خرید کر برطانیہ بھیجتے تھے۔ سندھ کی اقتصادی تاریخ نامی کتاب میں مسٹر چھبلانی لکھتے ہیں :"نادرشاہ کے حملے کے وقت سندھ میں کپڑا بُننے والوں کی تعداد 40 ہزار تھی۔"سندھ کا کپڑا افغانستان اور دیگر ایشیائی ریاستوں میں بھی مقبول تھا۔ لیکن کوئی ایسی صورتحال تھی کہ یہ جولاہے ناخوش تھے۔ یہ احساس شاہ لطیف کو بھی تھا :

کو جو وَہ کاپائِتین، کَنبن ۽ کَتن،
کارڻ سُودَ سَواريُون، آتَڻ مَنجھ اچن،
آگھيا سُٽَ سَنديَن، پائي تارازيءَ نہ توريا.
- ڪاپائتي

(ترجمہ : کوئی تو خوف ان کو ہے کہ یہ جُولاہے کانپتے ہوئے سُوت کات رہے ہیں۔ صبح یہ محنت مزدوری کے لئے آتے ہیں اور پھر ان کا کاتا ہوا سُوت قبول کیا جاتا ہے، ترازو میں تولا نہیں جاتا۔)

کتاب جنۃ السندھ سے حوالہ ہے کہ کلھوڑا افسران اور سپاہی ان جولاہوں سے کپڑا سستے داموں یا زبردستی لے جاتے تھے۔ ان حالات میں جولاہے کام بند کردیتے تھے۔ کچھ ایسی عکاسی بھٹائی کے اس شعر میں ہے :

نہ سي وونڻَ وَڻن ۾، نہ سي ڪاتاريُون،
پَسئو بازاريون، هِينئڙو مُون لُوڻ تِئي.
- ڪاپائتي

(ترجمہ : نہ درختوں پر کپاس کے وہ پھول ہیں اور نہ وہ چرخہ کاتنے والے۔ یہ سنسان بازار دیکھ کر تو میرا دل کھٹا ہو رہا ہے۔)

اولاٽيان آرٽ، ڪيڏانهن ڪَتڻ واريون؟
پَـهيون مَـتي پَـٽَ، لُـڙجَـن لاڪِـيڙن جُـون.
- ڪاپائتي

(ترجمہ: چرخہ اُتار کے رکھا ہوا ہے۔ یہ کاتنے والے کہاں ہیں؟ ان محنت کشوں کی روئی یا کپاس کے گولے زمین پر پڑے خراب ہو رہے ہیں۔)

شاہ عبداللطیف نے تقریباً 3سو سال قبل جو شاعری کی، وہ ان کے ہمعصر عوام کے لئے تھی۔ شاید وہ ہم سے زیادہ باشعور تھے کہ بھٹائی اُن کو اس طرح آگاہی دے رہے تھے۔

ڪَتڻ جِي ڪانَ ڪرِين سُتِي ساهِين هَڏَ.
سُپان اِينڊءِ اوچتِي، عيدَ اُڱهاڙن گَڏَ.
جِت سَرتيون ڪندءِ سَڏَ، اُت سِڪندينءَ سِينگار ڪي.
- ڪاپائتي

(ترجمہ: کاتنا یا محنت کرنا چھوڑ کر تم کاہلی میں لیٹے ہو۔ کل اچانک، لباس سے محروم لوگوں کے ساتھ عید آجائے گی۔ پھر دوست تمہیں بلائیں گے تو تم سنگھار کو ترسو گے۔)

ڪاهوڙِي ڪِجن، پَسئو پورهيت ويسِرا
ڏوتِـيڙا ڏُور ويا، رُجن مَنجهه رَهن،
ڪا، مُل آهي تن، مون پِرِيان جي ڳالڙِي.

(ترجمہ: محنت کشوں کو غافل دیکھ کر، اُن کے رہنما جَل بُھن رہے ہیں۔ محنت کرنے والے تو دور سناٹے میں جا رہے ہیں اور ان کی یہی ادا قدر کرنے جیسی ہے۔)

1742ء شاہ حبیب کا انتقال - عدالتی و تجارتی نظام کا جائزہ:

اسال شاہ عبداللطیف کے والد شاہ حبیب انتقال کر گئے۔ انہیں بھٹ پر سپردِ خاک کیا گیا۔

ساري رات سُبحان، جاڳي جن ياد ڪيو.
اُن جِي عبداللطيف چئي مِـٽيءَ لڌو مانُ.
ڪوڙيين ڪن سلام، اَڳهه اَچيو اُنَ جي.

(ترجمہ: جنہوں نے راتوں کو جاگ کر عبادت کی، عبداللطیف کہے کہ ان کی مٹی نے بھی عزت و مرتبہ حاصل کیا اور ان گنت لوگ ان کے مرقد پر آکر سلام کرتے ہیں۔)

بیگلار بیگی ٹھٹھہ میں :

اسی سال نادر افشار نے مظفر خان بیگلار بیگی کو بحری جہاز خریدنے سورت بھیجا، جس نے ٹھٹھہ میں قیام کیا اور میاں نور محمد نے ڈھائی ماہ اس کی ضیافت کی۔ تاریخ کلہوڑا میں رقم ہے کہ یہ سیر و تفریح کینجھر جھیل میں ہوتی تھی۔ بھٹائی یہ تمثیلی قصہ نوری جام تماچی میں یوں بیان کرتے ہیں :

ميءَ هَٿَ ۾ مکڙي، جام هٿَ ۾ ڄار،
سڄو ڏينهن شڪار، ڪينجھر ۾ ڪالهہ هو.

- ڪاموڏ

(ترجمہ : لڑکی کشتی چلارہی ہے اور جام یعنی معزز شخص کے ہاتھ میں جال ہے۔ بس کل تو سارا دن کینجھر پر شکار ہوتا رہا!)

مؤرخ لکھتے ہیں کہ قزوین سمندر میں تجارت کے لئے نادر شاہ روسی جہاز رانوں کا محتاج تھا۔ 1742ء میں ہی شاہ بندر کے ناظم اور ایرانی دربار میں ٹھٹھہ کے عوام کے وکیل آغا کریم اصفہانی انتقال کر گئے۔

عدالتی نظام کا جائزہ :

مغل سلطنت کے زیر انتظام ریاستوں میں عدالتی فیصلے قاضی کرتے تھے، جنہیں حکمران مقرر کرتے تھے اور وہ اقتدار کے مخالفوں کو سخت سزا دینے کے پابند تھے۔ شاہ لطیف کے سامنے کئی مثالیں ایسی تھیں کہ جج یعنی قاضی نے حکومت یا مذہبی علماء کے ایماء پر سزا دے دی۔ لیجئے شعر پڑھئے :

اکر پَڙهِي آياڳيا، قاضِي ٿِئين ڪِياءُ؟
پيرين ۾ پانئين، ايڏا اِيءَ نہ آءُ،
اِن سُرڪِيءَ سندو ساءُ، پُڇج عزازيل کي.

- يمن

(ترجمہ : محض حرف پڑھنے سے اے بدبخت! تم کہاں سے قاضی یا منصف بن گئے؟ قلابازیاں کھاتے اور من مانی کرتے ہو، یہ نہیں چلے گا۔ اس گھونٹ کی لذت کیا ہے یہ شیطان سے پوچھو۔)

جيڪِي مَنجھہ جهانَ، سو تاريءَ تَڳي تنهنجِي،
لُطف جِي لطيف چئي تو وٽ ڪَمِي ڪانہ،
عدل ڇُٽان آن نہ، ڪو ڦيرو ڪج فضل جو.

(ترجمہ :اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب تیرے (اللہ) رحم و کرم سے ہے۔ لطیف کہے کہ تیرے پاس پیار کی کوئی کمی نہیں۔ عدل و انصاف تو مجھے آزاد کرنے سے رہا۔ اب تو ہی کرم و فضل فرما۔)

تجارتی حالات :

1700ء سے 1752ء تک کے تمام عرصے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ٹھٹھہ آفیس بندر ہی اور کاروبار، سورت آفیس کے معرفت چلتا تھا۔ شاہ لطیف، بندر گاہ پر ہونے والی تجارتی سرگرمیوں سے بخوبی آگاہ تھے اور لوگوں کو ملازمت کے بجائے تجارت کا مشورہ دیتے ہیں۔

وِت وِيمي جو جي لَهين تہ بي كار نہ كرئيين كا.
سا پَرُوڙج ڳالھڙِي، وَڻجارن وَٽاءِ.
موتِي جن هٿانءَ، آندءِ گھٽي ادب سين.

- سريراڳ

(ترجمہ :اگر تم کاروبار کی حقیقت جان لو تو کوئی اور مشقت کبھی نہ کرو۔ یہ بات تمہیں ان تاجروں سے سیکھنی چاہئے جن سے تم موتی حاصل کرتے ہو، مؤدبانہ انداز میں۔)

بھنبھور، ٹھٹھہ، شاہ بندر اور دیگر ساحلی علاقوں میں تجارتی قافلوں کا لُٹ جانا معمول کی بات تھی اور اس میں بھی سرکاری کارندے اور سپاہی ملوث ہوتے تھے۔

پينو هِنَ ڀَنڀورَ ۾ دوزخ جو دُونهون.
سوارو سُونهون، پُڇي پُورج سَسئي.

- حسيني

(ترجمہ :اے سکھیو، اس بھنبھور میں دوزخ کا دھواں بھرا ہے۔ سفر پر نکلتے وقت اپنے ساتھ کوئی رہنما ضرور لے جانا۔)

حکمرانوں کو بدامنی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ صرف دولت بٹورنا جانتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ لُوٹ مار اور زیادہ محاصل ور شوت دینے کے خوف سے یورپی تاجر ٹھٹھہ آنے سے گھبراتے تھے۔ اس زمانے میں بھی روپے کی قیمت گر گئی تھی اور چاندی کے 100 سکوں کے عیوض 145 روپے ملتے تھے، جبکہ یہ شرح قانونی طور پر 120 روپے تھی۔ اس ضمن میں لطیف کہتے ہیں :

سونا وج صراف سين، پيجي جـڏ بازِي،
چاندي ڪيو چلائيين، روپيو روازي،
جِت تيندو رَب قاضِي، اُت توريندا سين تجويز سين.
- سريراڳ

(ترجمہ :اے طلاء، تو صراف کے ساتھ جاکر اس کھیل کو ختم کردے۔ یہ تو عام روپے کو بھی چاندی بتا کے چلارہے ہیں۔ لب وہیں تجویز سے تولیں گے جہاں انصاف کرنے والا رب ہوگا۔)

1743ء بھٹائی کی شاعری گانے پر پابندی :

ٹھٹھہ میں قیام پذیر یورپی تاجر ایڈورڈ ڈگنگ اس سال انتقال کرگئے۔ کافی مقامی لوگوں سے اس کے ذاتی مراسم تھے اور کئی سیاسی بدلاؤ اس نے خود دیکھے۔ ایڈورڈ کو مکلی میں دفن کیا گیا۔ اب بھٹائی کی عمر 53 سال ہے۔ دیہی چوپالوں میں ان کی شاعری گائی جاتی تھی اور بھٹ شاہ پر تو یہ سلسلہ روز کا معمول تھا۔ تحقیق ثابت کرتی ہے کہ شاہ لطیف کی شاعری سرعام گانے پر اربابِ اختیار نے پابندی لگا رکھی تھی، کیونکہ یہ مدح سرائی سے عاری تھی :

مَدح مونکان نہ تِئي سَندِي سُوَر صِفتَ،
هِجي ڪريان هيجَ سين، مطالع محبت.
- وائي معذوري

(ترجمہ : مجھ سے تعریف نہ ہوگی، کیونکہ درد میری پہچان ہے۔ میں پیار سے ہجے کرتا ہوں اور محبت سے مطالعہ۔)

فرسودہ روایات کی مخالفت :

شاہ لطیف دیگر صوفیائے کرام کی طرح کئی فرسودہ روایات کے مخالف تھے۔ وہ سچائی کے علمبردار اور حق کے طرفدار تھے۔ آیئے ان کو شاعری میں تلاش کرتے ہیں :

سا مُون هَتان نہ تِئي جيڪا رسم راڄ،
آيل! آئون آڪاڄ، ٻول باروچي وِترو.

(ترجمہ : جو رسم لوگوں میں مروج ہے، وہ مجھ سے نہیں ہوگی۔ میں ناداں ہوں اور زور آور کی باتوں میں دم ہے۔)

علامہ اقبال نے کچھ دیکھ کر ہی کہا تھا کہ :

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی،
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو۔

شاہ عبداللطیف بھی مسلسل مظالم دیکھ کر چلا اُٹھے تھے :

آتڻ اورانگهي ويا، ڪري ڪميٽي ڪِيئن،
هاٽي گُهرجي هِيئن تہ ڏِجي باهہ ڀَنڀور کي.

- حسيني

(ترجمہ : آنگن پھلانگ کر ذلیل و خوار کر کے وہ چلے گئے۔ اب تو بھنبھور کو آگ لگادینی چاہئے۔)

سَرَڪين جا سونا سَهي، وسِيلو وِلهن،
لُڏي ڪِينَ لطيف چي، اڳيان لال لکن،
جت ڪوڙين ڪِينَ ڪُڇن، اُت پاٻوهي پَڌرو.

- بلاول

(ترجمہ : آسرار کھنے والوں کے ناز اٹھانے اور بیادروں کا وسیلہ بننے والا یہ کردار، لطیف کہے کہ لاکھوں کے سامنے بھی آنے سے نہیں گھبراتا۔ جہاں لوگ کچھ نہیں کہہ سکتے، وہاں یہ کھری بات کرتا ہے۔)

شاہ لطیف کا مزاج اس ایک مصرع میں واضح ہے کہ :

لوڪ لهوارو وهي، تون اُوڇو وَه اوڀار.

(ترجمہ : اگر لوگ بہاؤ کی طرف جارہے ہیں تو تم مخالف سمت یعنی اونچائی کی طرف چلو۔)

کلہوڑا حکومت کی دفتری زبان فارسی تھی۔ قصیدے بھی فارسی میں پڑھے جاتے تھے، لیکن بھٹائی اس روایت کے بھی مخالف نکلے۔

جي تون فارسي سِکيو، گولو توءِ غلام،
جو ٻَڌو ٻِن ڳالهين سو ڪِيئن چائي عام،
اُجئو تان آب گهري، ٻُکيو تان طَعام،
اِيءُ عامن سَندو عام، خاصن مَنجهان نہ تِئي.

- آسا

(ترجمہ : فارسی سیکھ کر تم نے غلام ہی بننا ہے۔ دو باتوں میں پھنسنے والا کس طرح عام کہلائے گا۔ پیاسا پانی مانگے اور بھوکا کھانا۔ میں تو عام ہوں عوام سے ہوں، مجھے خاص کہلانا پسند نہیں۔)

1745ء تین بیٹے یرغمال- جلائر کے کان کٹ گئے :

اس سال شکارپور کے داؤدپوتہ حکمرانوں نے نادر شاہ دربار میں اپنے امیر کے وکیل شیخ صادق اور اس کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ ورثاء نے ایرانی بادشاہ کو شکایت کی، جس نے شکارپور پر فوج کشی کے لئے طہماسپ جلائر کو بھیجا۔ اس حملے میں مدد کے لئے میاں نور محمد نے اپنے فرزند عطر خان کو فوج کے ساتھ جلائر کے حوالے کر دیا۔ مشن مکمل کرنے کے بعد طہماسپ، عطر خان کو بھی یرغمال بنا کے ایران لے گیا اور اس طرح والئ سندھ کے تین بیٹے نادر شاہ کے پاس یرغمال بن گئے۔ یہ بڑا صدمہ تھا اس لئے میاں نور محمد بددل ہو گئے اور عملی طرح سندھ ایک اور سیاسی بحران کے ہتھے چڑھ گیا۔ کسی ایسے مرحلے پر انسان توبہ کرنے کی سوچتا ہے۔

توبھ آھي تِن کان، جي ھٿان مُون ٿِيون،
مونکي ڏي نہ مُنھن ۾ جي مون ڪالھ ڪيون.

- وائي رپ

(ترجمہ : میرے ہاتھوں جو کچھ ہوا، ان پر توبہ کرتا ہوں۔ اے مالک! کل جو میں نے کچھ کیا، اب مجھے وہ نہ لوٹانا۔)

قلعے پر لڑائی کے دوران طہماسپ کے دونوں کان کٹ گئے تھے۔ ادھر نادر افشار کے حکم پر میاں نور محمد نے کانجی قلعے کو بارود سے اُڑا کر کچھ علاقے کے والی رائے ڈہیسر کو ختم کر دیا۔ چلیں کان کے حوالے سے یہ شعر پڑھتے ہیں۔

ھِي ڪَنَ گاڏھان وِڪڻي ڪَنَ ڪي ٻِيا ڳِنھيج،
تِـنين ساڻ سُٽيج، ٻريان سندِي ڳالھڙي.

- رامڪلي

(ترجمہ : یہ گدھے جیسے کان بیچ کر، کوئی دوسرے کان خرید لو تا کہ تم ضمیر کی باتیں سُن سکو۔)

اسی اثنا ملتان کے نواب حیات اللہ قتل کر دیئے گئے اور دیوان کوڑومل نواب مقرر ہوئے۔ مولائی شیدائی لکھتے ہیں کہ یہ دیوان مظالم ڈھانے اور عوام پر جبر کرنے میں میاں نور محمد کا معتمدِ خاص تھا۔ ایسے شخص کو بھٹائی کس طرح دیکھتے ہیں :

كُوڙو تون كُفر سين، كافر مَ كوناءِ،
هِندُو هَنْ نہ آهئين، جَڻيو تو نہ جُڳاءِ،
تِلڪ تنِين کي لاءِ، سچا جي شِرڪ سين.

- آسا

(ترجمہ: تم تو کفر کے ساتھ بھی جھوٹے ہو، کافر مت کہلاؤ۔ ہندو بھی نہیں ہو، اس لئے گلے کی مالا تمہیں زیب نہیں دیتی۔ پیشانی پر تلک انہیں لگاؤ جو شرک کے ساتھ بھی سچے ہیں۔)

مُنهن تہ مُوسيٰ جَهڙو، اَندر ۾ اِبليس،
اهڙو خام خَبيث، ڪڍي ڪوه نہ ڇڏئيين.

(ترجمہ: چہرا تو موسیٰ جیسا ہے، لیکن باطن میں شیطان بسا ہے۔ تم ایسے خبیث کو نکال باہر کیوں نہیں کرتے۔)

اہلِ علم کے ساتھ ناروا رویہ :

تصوف یعنی سچائی کی راہ چلنے والے ہر دور میں ظلم کا شکار رہے ہیں۔ ان صفحات میں ہم یہ جائزہ لیں گے۔ پہلے ایک شعر لطیف کا :

آهکِي راه الله جِي، آهُکِي اهکِي يَتِ،
هُو جي ڏيهائِي ڏيهہ جا تِن پڻ مَوڙهِي مَت،
آچاران اُبَت، گِهڙج گهاٽي نِينهن سين.

- سريراگ

(ترجمہ: اللہ کی راہ مشکل ہے، لیکن اس کے اوصاف اپنانا اس سے بھی زیادہ مشکل۔ دنیا میں رہنے والوں کی عقل پر پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ اس دریا میں تمہیں انتہائے عشق سے داخل ہونا ہے۔

محقق لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالسبحان نامی شاعر محض اس لیئے میاں نور محمد کے زیرِ عتاب آیا کہ وہ اہلِ بیت سے بے انتہا عقیدت رکھتا تھا۔ لیکن شاہ عبداللطیف نے واقعہ کربلا پر پورا سُر کیڈارو لکھ دیا اور سرِعام کہا :

جِنهين جهيڙيو ڪالَ، عليءَ جي اولاد سين،
هَئہ تنين جي حال، جي جَماتِي يَزيدَ جا.

- ڪيڏارو

(ترجمہ: کل جن لوگوں نے علی کی اولاد کے ساتھ جنگ کی، ان کے حال پر افسوس ہے۔ یہ یزید کے جماعتی ہیں۔)

1165ھ میں ایک کشمیری عالم شاہ نجم الدین ٹھٹھہ تشریف لائے۔ کلہوڑا حاکم نے ان سے ملنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ ملاقات کے لیئے تیار نہ تھے۔ روحل فقیر، میاں دین محمد کی ملازمت چھوڑ کر صوفی عنایت سے جا ملے تھے اور ان کی شہادت کے بعد دوسرے ساتھیوں سمیت ٹھٹھہ چھوڑ کر چلے گئے۔

پینر پَنیوران پَچو تان اُبَھو،
اگي اِن ماڳان، سَرتين سُور پِرائيا.

- کوهياري

(ترجمہ: بہتر یہی ہے کہ اب بھنبھور سے بھاگ نکلو، کیونکہ اِس جگہ سے کئی ساتھیوں نے درد ہی پایا ہے۔)

تاریخ کلہوڑا میں درج ہے کہ میاں نور محمد درگاہِ قلندر شہباز کے سجادہ نشین کے فرزند پیر شاہ سے ملاقات کے متمنی تھے جب کہ وہ دور رہنا چاہتے تھے۔ ایک دن والیٔ سندھ خود چل کر اُن سے ملنے آئے۔ اس ملاقات کے بعد پیر شاہ نے عقیدت مندوں سے کہا کہ اب دنیا میں رہنا مناسب نہیں۔ کچھ عرصے بعد وہ انتقال کر گئے۔ 19-1718ء میں ٹھٹھہ کے نواب کا ایک کارندہ، مخدوم معین ٹھٹھوی عرف ٹھارو سے عداوت رکھتا تھا اور انہیں ذہنی اذیت دینے کی کوشش میں مصروف رہتا تھا۔

جو مُلن کي ميهڻو، سو ئِي مون سردار،
آهي آسدالله کي، الله جو آذار.

(ترجمہ: جو مُلا کے لئے طعنہ ہے، وہی میرا سردار ہے۔ اسد اللہ کو تو اللہ پر توکل ہی کافی ہے۔)

اوريائِين اوجُون کري مُنجهايا مُلَن،
سي پِرينئُون پاسي ٿيا، ڳُهه ڳُهَہ ڳالهيون ڪن،
دَم نہ سُڃاڻن، دانهون ڪَن مُنِ جِيئن.

- يمن

(ترجمہ: مُلا حضرات نے ظاہری باتیں کر کے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اب محبوب سے وہ دور ہیں، لیکن باتیں چپڑ چپڑ کرتے ہیں۔ ان کو دم کا پتہ نہیں، صرف معصوم بن کے چلائے جاتے ہیں۔)

1746ء- ٹھر پر حملہ - صوفیانہ جدوجہد میں خواتین کا کردار

تاریخِ لاڑ سے حوالہ ہے کہ اس سال کچھ کے چند لوگ بدین کے علاقے میں گھس آئے، جن کا مقابلہ فوج سے ہوا۔ یہ سارا ساحلی علاقہ آج کل بھی سیاسی اہمیت کا حامل ہے۔ رائے چند اپنی کتاب تاریخِ ریگستان میں لکھتے ہیں کہ، "1746ء میں میاں نور محمد نے امر کوٹ کی سوڈھا قوم کو تابع کیا اور قلعہ تعمیر کیا۔ اس نے اکبر بادشاہ کی جنم بھومی والا قلعہ بھی مسمار کرادیا۔" اب نئے قلعہ پر چڑھ کے آپ بھٹائی کی یہ شاعری ماروی کے حوالے سے پڑھیں :

کَيم مُهارَ مَلِير ڏي، متي ڪوٽَ چڙهِي،
نِت نِهاري ڏيهه ڏي، ڳوڙها پير ڳڙي.

- مارئي

(ترجمہ : قلعہ پر چڑھ کے میں نے ملیر کی طرف چہرہ کیا اور وطن کی طرف دیکھ کر میرے آنسو اُمڈنے لگے۔)

جدوجہد میں خواتین کا کردار :

صوفی عنایت کی قومی طبقاتی تحریک کو خواتین کی حمایت بھی حاصل تھی، لیکن تاریخ میں کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں، البتہ بھٹائی کے زمانے میں خواتین کی بیداری کے چند واقعات ملتے ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اہلِ تصوف نے اپنی شاعری میں صنف نازک کو استعمال کیا ہے، جو کہ ہر معاشرے میں "مردِ کی حاکمیت" کا شکار رہی ہیں۔ ذرا ملاحظہ کیجئے :

سِرجِي تان سُورَ، سامائِي تان سُکَ ويا.
اِهي ٻَئي پُورَ، نِماڻِيءَ ڪي نصيب تيا.

(ترجمہ : پیدا ہوتے ہی درد ملا، جوان ہوئی تو سکھ کے دن رخصت ہوگئے۔ اس بیچاری کو تو یہی دو باتیں نصیب ہوئیں۔)

ایک خاتون مائی گلاں، جن کا ذکر مخدوم عبدالرحمن کے باب میں ہو چکا ہے، شاید اہل تصوف کے سلسلے پر چل پڑیں تھیں۔ مولانا دین محمد وفائی لکھتے ہیں، "ایک دفعہ مائی گلاں شاہ لطیف کے پاس تشریف فرما تھیں کہ کچھ مخالفین نے اہلکاروں کو شکایت کردی کہ

صوفی کے پاس گانے والی کا کیا کام؟ اس پر سرکاری کارندوں نے چھاپہ مارا اور گلاں کو گرفتار کر کے میاں نور محمد کے پاس لے گئے۔ والیٔ سندھ اس پر عاشق ہوگئے اور اس سے شادی کرلی۔" محقق لکھتے ہیں کہ گلاں کے بطن سے غلام شاہ کلہوڑو نے جنم لیا اور وہ آگے چل کر سندھ کے حاکم بنے۔ آیئے عورت کے مضبوط ارادے کے حوالے سے ایک شعر پڑھیں:

سِياري سِيهَ رات ۾ جا گِهڙي وَسندي مِينهن،
هَلو تہ پُڇون سُهڻِي جا ڪَر چاڻي نِينهن،
جنهن کي راتو ڏِينهن ميهار ئي مَن ۾.

- سهڻي

(ترجمہ: جاڑے کی کالی رات اور طوفانی برسات میں وہ دریا میں اُترتی ہے۔ چلو سوھنی سے پوچھیں جو عشق کرنا جانتی ہے اور رات دن مہیوال کو یاد کرتی ہے۔)

تاریخ کلہوڑا میں رقم ہے کہ کلہوڑا اور داؤد پوتہ قبائل کے درمیاں لڑائیوں میں عورتیں بھی حصہ لیتی تھیں۔ لطف اللطیف نامی کتاب میں بیبی لعل خاتوں کا تذکرہ بھی بھٹائی کی ورکر کی حیثیت سے آیا ہے، جب کہ بھٹائی کی شاعری کو رقم کرنے والی شخصیت بھی ایک خاتون مائی مُلی نعمت تھیں۔

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ!

1747ء-نادر افشار کا قتل-ابدالی برسرِ اقتدار:

تاریخ تمدنِ سندھ اور تاریخِ کلہوڑا سے حوالہ ہے کہ 10 جون مطابق ۱۱ جمادی الآخر ۱۱۶۰ھ کی رات خراسان میں نادر شاہ کو اپنے ہی رشتیداروں نے بیٹوں اور پوتوں سمیت قتل کر دیا۔ اس سے کچھ عرصہ قبل نادر پر گولی چلی تھی۔ ملزم پکڑا گیا، جس نے اعتراف کیا کہ اسے ولی عہد مرزا رضا قلی نے ایسا حکم دیا تھا۔ نادر نے چراغ پا ہو کر اپنے بیٹے کی آنکھیں نکلوا دیں تھیں۔ ایرانی بادشاہ کے قتل کے بعد اس کے سپہ سالار احمد شاہ ابدالی نے قندھار پہنچ کر اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ بھٹائی یاد دلاتے ہیں:

اَجُل اِينڊءِ اوچتو جو سَدا تو سُجهي،
اڳيان اُونداهيءَ جو ثَمر ساڻ ڪَجي.

- وائي سريراڳ

(ترجمہ: حالانکہ موت کی حقیقت ہمیشہ موجود ہے، لیکن آتی وہ اچانک ہے۔ اس لئے آگے آنے والے اندھیرے یعنی قبر کے لئے سامان تیار رکھنا چاہیے۔)

1747-48ء - بھٹائی کی درازا یاترا - کھہڑا میں تعزیت :

مؤرخ لکھتے ہیں کہ جب میاں صاحب ڈنو فاروقی سے شاہ عبداللطیف کی ملاقات ہوئی تو ان کے پوتے سچل سرمست محض 8 یا 9 سال کے تھے۔ بھٹائی نے 1752ء میں انتقال کیا اور سچل سائیں کی ولادت 1739ء میں ہوئی۔ پس مندرجہ بالا عرصے میں کسی وقت شاہ لطیف پہلے کھہڑا گاؤں گئے، جہاں انہوں نے مخدوم عبدالرحمٰن کی شہادت پر ان کے بیٹوں مخدوم محمدی اور احمدی سے تعزیت کی۔

مَڇِي رضا ربَ جي سَڀ هِتان هَلندا.
ڪلمي ساڻ لَڏائيين هادِي هِن هَنڌا.

- وائي مومل

(ترجمہ: رب کی رضا سے سب کو یہاں سے جانا ہے۔ دعا ہے کہ کلمہ پڑھتے یہاں سے رخصتی ہو۔)

تاریخی حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ میاں صاحب ڈنو فاروقی کلہوڑا حکومت میں کسی عہدے پر فائز تھے، بعد ازاں اختلافات کے بعد وہ اہل تصوف کے رنگ میں رنگے گئے۔ لطف اللطیف سے نقل ہے کہ شاہ لطیف کھہڑا گاؤں سے جب اپنے ہمعصر ساتھی فاروقی صاحب سے ملنے درازا پہنچے، تب انہوں نے دیکھا کہ وہ جھاڑیوں میں تکیہ کیئے بیٹھے ہیں۔ بھٹائی نے ان سے سیر حاصل گفتگو کی اور کہا کہ چھپنا بیکار ہے۔ کھل کر سامنے آنا ہوگا!

نہ کِلن نہ کِيئن ڪِي، نڪِي ڳالهائين،
ڪنهن جَنهن ۾ آهِين، سا پَرُوڙڻ ڏاکِڙو.

امڪلي

(ترجمہ: وہ نہ ہنستے ہیں نہ کھاتے ہیں اور نہ ہی بولتے ہیں۔ وہ کس مسئلے میں ہیں، یہ جاننا مشکل ہے۔)

1748-50ء معین ٹھٹھوی کا انتقال - ابدالی کا حملہ :

1748ء مطابق ۱۱۶۱ھ میں ٹھٹھہ کے مشہور صاحبِ علم و تصوف مخدوم معین عرف ٹھارو انتقال کر گئے۔ ان کی نمازِ جنازہ شاہ عبداللطیف نے پڑھائی، کیونکہ دونوں قریبی رفیق اور ہم خیال ساتھی تھے۔ تحفۃ الکرام میں لکھا ہے کہ اس کے بعد بھٹائی پھر کبھی ٹھٹھہ نہ آئے۔

يائِي حال هلِي ويا ڪنهن سان سُورَ سَلان؟
ڪٽيو لَڄ لطيف چي، لَڪن مَنجهه لُڇان،
پانڌِي ڪير پُڇان؟ وِهان تان نه وَس پِيو.

- معذوري

(ترجمہ :حال جاننے والے بھائی چلے گئے ،اب میں کس کے ساتھ دکھ درد بانٹوں۔بس عزت بچا کر چٹانوں میں تڑپنا پڑرہاہے۔کس سے پوچھوں، بیٹھوں گا نہیں کہ غرض میری ہے۔)

1748ء میں ہندستان کے بادشاہ محمد شاہ رنگیلا بھی انتقال کر گئے۔اس سے قبل احمد شاہ ابدالی نے مغل افواج سے جنگ کی، لیکن کامیاب نہ ہوا۔اب مغل حکومت کی باگ ڈور محمد شاہ کے بیٹے مجاہد الدین غازی نےسنبھال لی۔ 1749ء میں ابدالی نے دوبارہ حملہ کیااور صلح کے بعد کچھ علاقے حاصل کر لئے۔ 1750ء میں میاں نور محمد کا ایک فرزند مرادیاب کلہوڑوایران سے مسقط پہنچ گیا، جبکہ اس کے دوبھائی ابھی ایران میں تھے۔ 1750ء میں تھر علاقے پر کلہوڑاافواج نے دوبارہ حملہ کیااور سوڈھوں کو شکست دی۔بس سارا زور محصول بٹورنے پر تھا۔

جُـ سي لوڙائُـو تيا، جِـنين سنڌِي ڌِيرَ،
مارُوئڙا فقيرَ، ڪنهن دَر ڏِيندا دانهڙي.

- مارئي

(ترجمہ : جن کے آسرے پر تھے ،اگر وہی لٹیرے بن جائیں تو یہ غریب تھری کس کے در پر جا کر فریاد کریں۔)

1752ء-شاہ عبداللطیف کاانتقال :

متفقہ تحقیق کے مطابق 14 صفر ۱۱۶۵ھ یعنی 1752ع میں ہمارے یہ عظیم شاعر اور صوفی مفکر شاہ عبداللطیف بھٹائی زندگی کی جنگ ہار گئے۔وصیت کے مطابق ان کو والدبزرگوار شاہ حبیب کے قدموں میں دفن کیا گیا۔

جا پُـون پيرين مون سا پُـون متي سَڄڻين،
ڏِ گَ لَـنبا ڏُوڙ ۾، اُيي ڏِناسُون،
ڏِينهن مِـڙوئي ڏُون، اُتِـي لوچ لطيف چي.

(ترجمہ :جوزمیں میرے قدموں تلے ہے،وہی زمین میرے قربت داروں کے اوپر ہے۔بڑے بڑے سورما ہم نے اس مٹی میں ملتے دیکھے ہیں۔زندگی محض دودن ہے،اس لئے لطیف کہتاہے کہ کچھ کر گذرو۔)

زمیں کھاگئی آسماں کیسے کیسے !

کچھ تاریخ نویس لکھتے ہیں کہ شاہ عبداللطیف نے اپنے جاں نشین کی حیثیت سے واضح طور پر کسی کا نام منتخب نہیں کیا تھا لیکن جمال شاہ کو پسند کرتے تھے جو اُن کے بھتیجے تھے اور بھٹائی کی رحلت کے بعد گادی نشیں ہوئے۔ لیکن لطف اللطیف نامی کتاب میں مولانا دین محمد وفائی کچھ اور ہی کہانی بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ بھٹائی کے انتقال کے بعد حاکم سندھ میاں نور محمد نے فوری مداخلت کرتے ہوئے جمال شاہ کی حمایت کی جب کہ بھٹائی کے خاص فقیر درویش محمد عالم کی رائے اِس کے برعکس تھی۔ اس مخالفت کی پاداش میں محمد عالم کو جیل بھیج کر اذیت دی گئی۔ وفائی صاحب مزید رقم طراز ہیں کہ جمال شاہ کو سرکاری تحفظ فراہم کیا گیا کیونکہ ان کی جان کو خطرہ تھا۔

اس ریسرچ کی روشنی میں ایک اور بات صاف ہو جاتی ہے: وہ یہ کہ جیسا کہا جاتا ہے کہ "شاہ لطیف نے وفات سے قبل اپنا کلام کراڑ جھیل میں پھینک دیا تھا، غلط ہے، بلکہ ان کی شاعری کا دیوان جھیل میں سرکاری سرپرستی میں ضایع کیا گیا تھا۔ یہ تو بھلا ہو اُن فقیروں کا، جنھوں نے مائی مُلی نعمت کو گذارش کی کہ وہ دوبارہ لطیف کی شاعری لکھوائے۔ اس طرح جو رسالہ مرتب ہوا اُسے گنج شریف کہتے ہیں جو کہ آج بھی درگاہ بھٹ شاہ پر موجود ہے۔ یہ نسخہ، رسالے کی موجودہ ترتیب کے حساب سے قطعی مختلف ہے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ گنج شریف شاہ لطیف کے انتقال کے ۴۲ سال بعد درگاہ کے خاص خلیفہ تمر فقیر کے جاں نشین خلیفہ میاں اسماعیل کی فرمائش پر ۱۲۰۷ھ میں فقیر عبدالعظیم نے لکھ کر مکمل کیا تھا۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کا مجموعہ کلام پہلی بار چھاپنے کا سہرہ ڈاکٹر ارنیسٹ ٹرمپ کے سر ہے جو کہ ایک جرمن پروٹیسٹنٹ عیسائی تھے۔ انہوں نے سندھ میں قیام کے دوران شاہ لطیف کی شاعری لوگوں کی زبانی سُنی پھر دو قلمی نسخوں کی مدد سے ۱۸۶۶ء میں شاہ جو رسالو لیپسیا، جرمنی سے چھپوا کے شایع کیا۔ اس کے بعد ایچ ٹی سورلے کا نام آتا ہے۔ ان کا تعلق اسکاٹ لینڈ سے تھا اور انہوں نے سن ۱۹۳۰ میں انڈین سِول سروس کی ملازمت اختیار کی۔ سندھ میں قیام کے دوراں سورلے صاحب نے بھٹائی پر تحقیق کی اور ۱۹۳۸ء میں شاہ لطیف آف بھٹ نامی کتاب / تھیسز لکھ کر آکسفورڈ یونیورسٹی لندن سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

☆

چلتے چلتے بھٹائی کے کچھ منتخب اشعار :

ويا سي وِينجهارَ هِيرا لَعل وِندِين جي،
تنين سَندا پويان، سِيهي لَهن نہ سارَ،
کُٽِين ڪُٽ لوهارَ، هاٽي اُنهين ٻيٺئين.

(ترجمہ :وہ ماہر جوہری چلے گئے، جو ہیروں کو تراشتے اور ان میں چھید کرتے تھے۔ اب اُن کے ورثاء سیسہ کی خبر بھی نہیں رکھتے۔ ان کے ٹھکانوں پر اب لوہار، لوہا کوٹتے ہیں۔)

ذات نہ آهي ذات تي، جو وَهي سو لَهي،
آريون اَبوجهن جُون، سَيِڙُ چام سهي،
جو وتس رات رَهي، تَنهن تان جُکِي نہ تئي.

- پرڀاتي

(ترجمہ :ہُنر کا دارو مدار ذات یا قبیلے پر نہیں، معصوم لوگوں کی اٹھکیاں تو خدائی صفات ہی برداشت کرتی ہے۔ جو اس کے پاس ایک رات بھی گذارے، اس کو کوئی خطرہ لاحق نہیں۔)

دوستَ کُهائي دادِلا، مُحبَ مارائي،
خاصن خَلِيلن کي سَختيون سَهائي،
اللهُ الصمد بي نياز، سا ڪري جا چاهي،
اِنهيءَ ۾ آهي، ڪا اُونهِي ڳالهہ اسرار جِي.

- ڪيڏارو

(ترجمہ :اپنے دوست وہ ذبح کرائے اور پیاروں کو مَروا دے۔ خاص بندوں کو مصیبتیں دِکھاتا ہے۔ اللہ الصّمد بے نیاز، وہ کر گذرے جو چاہتا ہے اور اس عمل میں کوئی پُراسرار بات ضرور پوشیدہ ہے۔

اگهيو ڪائو ڪَچ، ماڻِڪن موٽَ تِي،
پَلئِہ پايو سَچ، آچيندي لَجَ مَران.

- سامونڊي

(ترجمہ :شیشہ (جھوٹ) قبول کیا جا رہا ہے، جبکہ سچے موتی واپس کیئے گئے ہیں۔ میں سچ کو اپنی جھولی میں چُھپائے ہوئے ہوں اور ظاہر کرنے سے لاج کے مارے مرا جا رہا ہوں۔)

وِڱرَ ڪيو وَتن، ٻِرت نہ چِنن پاڻ ۾،
پَسو پَکيئڙن، ماڻُهنئان مَيٺ گهڻو.

(ترجمہ: وہ غول یا جھنڈ بنائے رکھتے ہیں اور آپس میں قائم پیار کا ناطہ نہیں توڑتے۔ دیکھو ان پرندوں میں محبت کا جذبہ انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔)

سَڏائِتي سپ ڪا، بُکَ نہ باسي ڪا،
جيھيءَ تيھيءَ ذات جِي جَنبش ڪانھي جاءِ،
مون سان ھلي سا، جا جيءُ مِنو نہ ڪري.

- آبري سسئي

(ترجمہ: خواہش تو سب کو ہے لیکن بھوک کا اقرار کوئی نہیں کر رہا۔ یہ ہر آدمی کے بس کی بات نہیں، میرے ساتھ تو وہ چلے جسے اپنی جان پیاری نہ ہو۔)

ڏُکيءَ توءِ ڏُڪار توٽي وَسن مِينھڙا
صاحبَ ھَٿ سُڪار، ھُنَ وَس آھن ھٿڙا.

(ترجمہ: مشکل کے ماروں کے لئے تو برسات کے باوجود قحط سالی ہے.. خوشحالی مالک کے ہاتھ ہے اور اِس کے بَس میں اپنے ہاتھ ہیں۔)

محروم ئي مري ويا، ماھر تي نہ مُئا،
چِڙي جيان چُھنج ھٽي لَڏيائون لُئا،
حباب ئي ھئا، انھيءَ واديءَ وچ ۾.

(ترجمہ: وہ محروم ہی رہ کر مر گئے، لیکن ماہر بن کے نہ مرے۔ وہ چڑے کی طرح چونچ مار کر دانے چگتے رہے اور اس وادی میں پانی کے بلبلے کی طرح تھے۔)

ڪر طريقت تڪيو، شريعت سڃاڻُ
ھِيوَن حقيقت ھَير تون ماڳ معرفت جاڻ
ھوءِ ثابوتي ساڻُ تہ پُسڻَ ڪان پالِھو رھِين

-سُر آسا

ترجمہ: طریقت پر تکیہ کر اور شریعت کو پہچان۔ اپنے دل کو حقیقت کا عادی بنا اور معرفت کی منزل جان لے، اگر ثبوت ساتھ ہوگا تو تم آلودہ ہونے سے بچ جاؤ گے۔ (سُر آسا- رسالہ مرتبہ شہوانی)

پاڻِ ھِي جلّ جَلالہُ، پاڻ ھِي جانِ جمالُ
پاڻ ھِي صورتَ پرينءَ جي پاڻ ھِي حُسنَ ڪمال
پاڻ ھِي پير مُريدُ ٿئي، پاڻ ھِي پاڻَ خيالُ
سَڀِ سَيوئي حالُ مَنجھان ئي معلوم ٿئي

-يمن ڪلياڻ

آپ ہی جلّ جلالہ یعنی بڑی شان والا ہے اور خود ہی جانِ جمال، خود ہی محبوب کی صورت ہے اور آپ ہی حُسن و کمال ہے۔ اور خود ہی پیر و مُرید بنتا ہے اور خود ہی خیال کی صورت ہے۔ یہ سب کچھ اپنے باطن میں ڈوب کر جاننے سے ہی معلوم ہوتا ہے (یمن کلیان۔گرنشانی)

کانارِئا کُٹِکَنِ جنین لوھ لِگّن ۾
مُحبت جي ميدانَ ۾ پِئا لالَ لُڇَنِ
پاڻ هِي ٻَڌن پَٽيوُن، پاڻ هِي چِڪئا ڪن.
وٽان واڍوڙِئن، رهِي اڇجي راتڙِي.

-يمن ڪلياڻ- گربخشاڻي

ترجمہ: جن کی جسموں میں نیزے پیوست ہو چکے ہیں وہ کراہ رہے ہیں اور محبت کے میدان میں تڑپ رہے ہیں۔ یہ خود ہی زخموں پر پٹی باندھتے ہیں اور خود ہی اپنا علاج کرتے ہیں۔ ان زخمیوں کے ساتھ ایک رات گذارنی چاہیئے۔

جا بَرادَ بُتن جي، سا اُڄ بُک آديسن
روزا رند رکن، عيد نہ اوڏا ڪاپڙِي

-رامڪلي

ترجمہ: جو بُتوں کی خوشی کا دن ہے وہ آدیسی لوگوں کے لیئے پیاس اور بھوک ہے۔ روزے رند رکھیں یہ کاپڑی یا صوفی تو عید کے بھی آڑے نہیں آتے۔

جيئن تا پُڇن اَنَ ڪي، تيئن جي پُڇن الله
تہ رِڙهي لَڏائون راهہ، لَتين لَکَ لطيف چئي.

-رامڪلي

ترجمہ: لوگ جس طرح اناج کو کھوجتے ہیں اگر اُس طرح اللہ تعالیٰ کو تلاش کریں تو لطیف کہے کہ اِن لوگوں نے بڑھ کر راہِ حق ڈھونڈ نکالی اور ان کے مسائل و مصائب گویا ختم ہو گئے۔

☆

Books Reffered

۱	تاریخِ کلہوڑا دور (۲ جلد)	مصنف مولانا غلام رسول مہر مترجم: شمشیر الحیدری
۲	لطف اللطیف (سندھی)	مصنف: مولانا دین محمد وفائی
۳	مقدمۂ لطیفی (سندھی)	ڈاکٹر ہوتچند مولچند گربخشانی
۴	Candid والٹیر (سندھی ترجے کا دیباچہ)	محمد ابراہیم جویو
۵	ساھڙ جا سينگار	جی ایم سید
۶	سنڌ جا سورما	جی ایم سید
۷	پیغامِ لطیف	جی ایم سید
۸	Pearls from Indus	اینیمیری شمل
۹	تذکرۂ مشاہیرِ سندھ	مصنف:
۱۰	Mystical dimentions in Islam	اینمیری شمل
۱۱	شاعرن جو سرتاج	علامہ عمر بن محمد داؤد پوتہ
۱۲	تذکرہ لطیفی	لطف اللہ بدوی
۱۳	Story of Indo-Pak	فیاض محمود سید
۱۴	Shah Latif of Bhit	ایچ ٹی سورلے مترجم: عطا محمد بھمبھرو
۱۵	جنۃ السندھ (سندھی)	رحیم داد مولائی شیدائی
۱۶	Cultural History of Sindh	فیض محمد سومرو
۱۷	سنڌ جي اقتصادي تاريخ	ایس پی چھبلانی مترجم: سراج الحق
۱۸	سنڌ - عام جائزو	مصنف ایچ ٹی لیمبرک
۱۹	تاریخِ دولتِ عثمانیہ	ڈاکٹر عبد العزیز
۲۰	Studies in brahvi history	ناصر بروہی
۲۱	سچل سرمست	شفقت تنویر

۴۴	تذکرہ مخادیم کھہڑا	مخدوم امیر احمد
۴۵	تنقيدنگاريءَ جو ارتقائي جائزو	بدر ابڑو
۴۶	صوفی لاکوفی - مضامین	علامہ آئی آئی قاضی مترجم: عبدالغفار سومرو
۴۷	آکھیا بابا فرید نے	محمد آصف خان
۴۸	شاہ لطیف کی شاعری میں عورت کا روپ	ڈاکٹر فہمیدہ حسین
۴۹	Recurent Patterns in Punjabi Poetry	نجم حسین سید
۵۰	تذکرہ صوفیائے سندھ	مولانا دین محمد وفائی
۵۱	شاھ جي رسالي جو مطالعو	مولانا دین محمد وفائی
۵۲	تاریخِ تمدنِ سندھ	رحیم داد مولائی شیدائی
۵۳	شاھ لطيف جي شاعريءَ ۾ منظر نگاري	راز شر
۵۴	شاھ جو رسالو	مرتب: ڈاکٹر گربخشانی
۵۵	شاھ جو رسالو	مرتب: ڈاکٹر نبی بخش بلوچ
۵۶	شاھ جو رسالو	مرتب: غلام محمد شہوانی
۵۷	شاھ جو رسالو	مرتب: ارنیسٹ ٹرمپ
۵۸	شاھ جو رسالو	مرتب: کلیان آڈوانی
۵۹	شاھ جو رسالو (اردو ترجمہ)	مرتب: شیخ ایاز
۶۰	سر بلاول	مرتب: حمید سندھی
۶۱	مقالاتِ الشعراء	
۶۲	راج گھاٹ تے چنڈ	شاعری: شیخ ایاز دیباچہ: محمد ابراہیم جویو
۶۳	تشبیہاتِ رومی	مرتب: ڈاکٹر عبدالحکیم مترجم: عبدالجبار صدیقی
۶۴	متاں وساریو	انور پیرزادو

شیخ ایاز

تاریخ کا عجائب گھر

سُنتے ہو

چیزیں بولتی ہیں!

یہ دنبورہ ہے، جسے بھٹائی بجایا کرتا تھا۔

اور اس کے تاروں سے

رابیل کے پھول کھل اُٹھتے تھے

جن کی خوشبو میں

سب لپیٹے جاتے تھے۔

یہ کبیر کا چرخہ ہے

جس کے تانے بانے میں

سارے دیس کا من

بُن کر ایک ہو گیا تھا۔

یہ وہی رسی ہے

جس میں نانا صاحب کو لٹکایا گیا تھا

اور جو اب تک ہوا میں جھول رہی ہے۔

اور نہیں معلوم

کس کس سر کی منتظر ہے!

تُم جو

میری شاعری کو سمجھنے کی

کوشش کر رہے ہو،

سُنتے ہو؟

تاریخ کے عجائب گھر میں

چیزیں بولتی ہیں۔

(سندھی سے ترجمہ - راج گھاٹ تے چنڈ)

پَڙهندڙ نَسُل . پَ نَ

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾ عبدالله حسين ” اُداس نسلين“ نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻڪَ ”لُڙهندَڙ نَسُل“ نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندَڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ، ڇُرندڙ، ڪِرَندڙ، اوسيئڙو ڪَندَڙُ، ياڙي، ڪائُو، ياجوڪَڙُ، ڪاوڙيل ۽ وِڙهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سَگهجي ٿو، پَر اسان اِنهن سڀني وِچان ”پڙهندڙ“ نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان ڪٽي ڪمپيوُٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعنى e-books ناهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهَڻ ۽ هِڪَ ٻِئي کي ڳولي سَهڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻِڻَ جي آسَ رکون ٿا.

پَڙهندڙ نَسل (پَ نَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪو بہ صدر، عُهديدار يا پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهڙي دعوىٰ ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو ڪُوڙو آهي. نہ ئي وري پَ نَ جي نالي کي پئسا گَڏ ڪيا ويندا. جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو بہِ ڪُوڙو آهي.

جَهڙيءَ طَرَح وڻن جا پَنَ ساوا، ڳاڙها، نيرا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اَهڙيءَ طرح پڙهندڙ نَسُل وارا پَنَ بہ مختَلِف آهن ۽ هوندا. اُهي ساڳئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، بَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بہ ٿي سگهن ٿا. بين لفظن ۾ پَنَ ڪا خُصوصي ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِين. اهڙي حالت ۾ پَنَ پاڻ هِڪَڙِئي جي مدد ڪَرڻ جي اُصولَ هيٺ ڏي وَٺُ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَنَن پاران ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز digitize ڪرڻ جي عَملَ مان ڪو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز ڪرڻ کان پو ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ ڀلي ڪمائي، رُڳو پَنَن سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَن کي ڪُليل اڪرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَسَ پٽاندڙ وڌِ کان وَڌِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکڪَن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي هِمٿائِن. پر ساڳئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَيازَ علمَ، جاڻَ، سمجهہَ ۽ ڏاهپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ، پُڪارَ سان تَشبيهہ ڏيندي انهن سيني کي بَمن، گولين ۽ بارودَ جي مدِ مقابل بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گيتَ بہِ جڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.

... ...

جئن جئن جاڙ وڌي ٿي جَڳَ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ ڇُپن ٿا؛
ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موٽي مَنجهہِ پهاڙ ڇُپن ٿا؛

... ...

ڪالههَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄڪلهہ نيلا پيلا آهن؛
گيتَ بہِ جڻ گوريلا آهن........

... ...

هي بيتُ اَٿي، هي بَم- گولو،
جيڪي بہ ڪٽين، جيڪي بہ ڪٽين!
مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،
جنهن رِڻَ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنهن هَڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اڄ‌ڪلهہ جي پاڻَ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ ”هاٿي ويڙهہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ وڃايو“ ناداني‌ءَ جي نشاني آهي.

پَنَن جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۽ سماجي حالتن تان نظر ڪڃي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اڄاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين

ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پَڙهندڙ نَسُل جا پَنَ سيني کي **چو، چالاءِ ۽ ڪيئن** جهڙن سوالن کي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوشَ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ کي نہ رڳو پنهنجو حق، پر فرض ۽ اڻٽر گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻَ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا، بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون ڀاڪي پائي چيو تہ "منهنجا ڀاءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَنَ پَنَ جو پڙلاءُ".
ـ اياز (ڪلهي پاتم ڪينرو)